جب شام ڈھلے

جیا عباسی

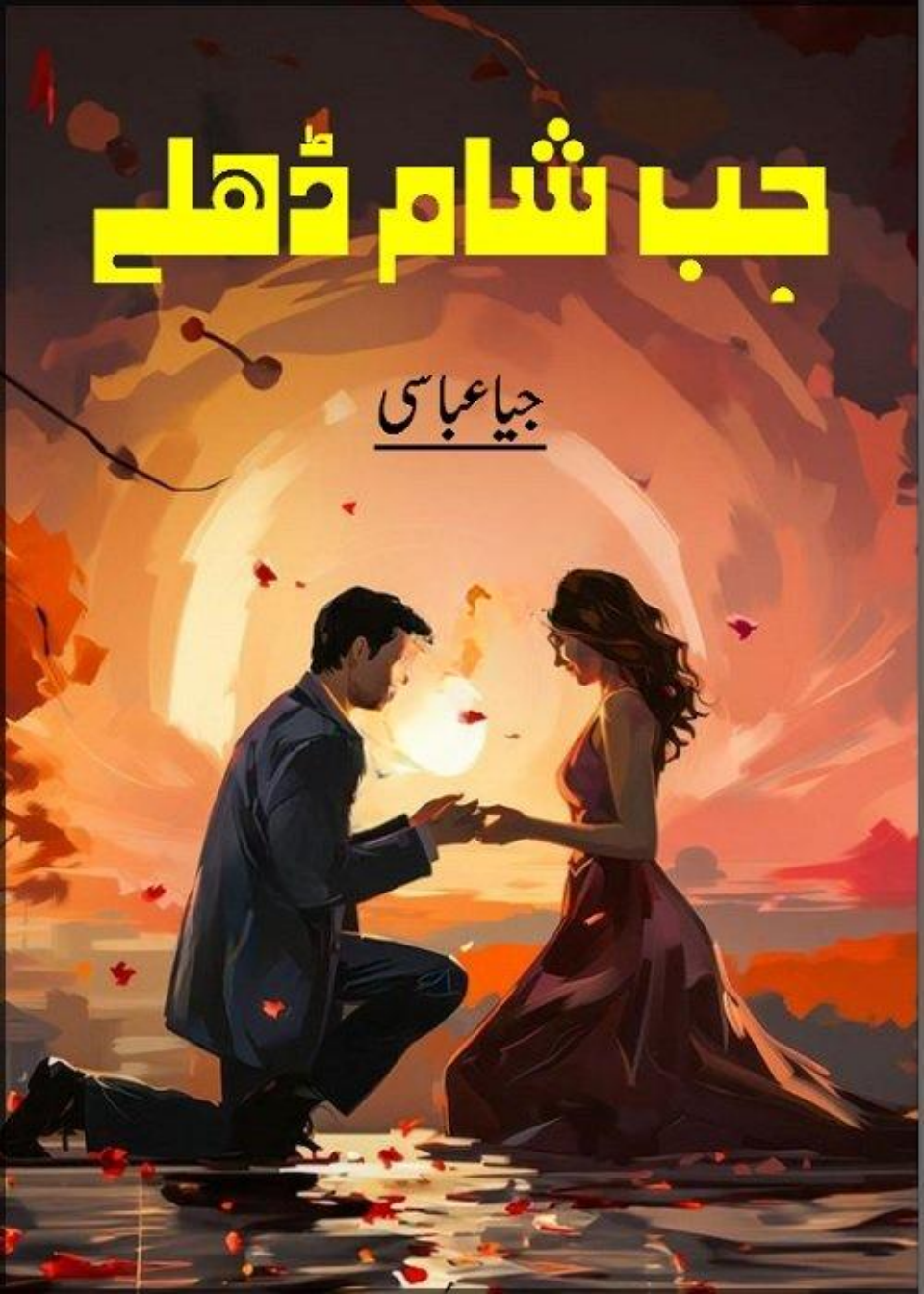

ناول

جیا عباسی

جب شام ڈھلے

جب شام ڈھلے اور دیپ جلے تم لوٹ آنا
اداس شامیں، اجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
ابھی نئی وادیوں، نئے منظروں میں رہ لو مگر میری جاں
یہ سارے ایک ایک کر کے جب تم کو چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا

نرم گرم دھوپ میں گیلی ریت پر اپنے گلابی پاؤں کے نشان چھوڑتی وہ سوچوں میں گم آگے بڑھ رہی تھی۔ گزرے وقت کی اداسی اس کی غزالی آنکھوں سے جھلکتی کسی اَن کہی داستان کو رقم کر رہی تھی۔ ہوا سے اُڑتی زلفیں اس کے سوگوار چہرے کو چوم رہی تھیں۔ یہی عمل بار بار دہرا رہی تھیں۔ اس نے رک کر بائیں جانب شور مچاتی سمندر کی لہروں کو دیکھا۔ لہروں سے اُٹھتا شور بھی اس کے اندر موجود طوفان کو سلا نہیں سکا تھا۔ آنکھوں میں بے اختیار نمی

اترنے لگی تھی۔ پلکوں کو جھپک کر اس نمی کو اندر دھکیلتے اس نے گہرا سانس لیا اور ایک بار پھر اپنے پیروں پر نظریں جمائے چلنا شروع کر دیا۔

چند قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ تبھی تیزی سے ہوا میں اُڑتی بال اس کے سامنے آ گری۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا اور وہیں نظر ٹھہر گئی۔ وہ بھی سامنے کھڑا آنکھوں میں شناسائی لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہاں کھیلتے بچے آ کر اپنی بال اٹھا لے گئے تھے، مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ وہ ہنوز اس شخص پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ جسے چند سیکنڈ پہلے تک اپنے سامنے دیکھنے کی تمنا کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ابھی تو آئے تھے تم اور ابھی جا رہے ہو۔'' سجاب نے آنکھوں میں شکوہ لیے اسے دیکھا جو اپنا وائلٹ اور موبائل جیب میں رکھ کر جانے کیلئے کھڑا تھا۔

''سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ دادی جان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے، مجھے جانا ہوگا۔'' فرزام نے کہتے ہوئے ٹیبل پر رکھی چابی اٹھائی اور سامنے بیٹھی سجاب پر نظر ڈالی۔

''چلو تمہیں چھوڑ دوں گھر۔''

''نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔ تھینکس فار ڈنر۔''

طنزیہ لہجے میں کہتی سجاب تیزی سے اٹھ کر فرزام سے پہلے ہی ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ فرزام گہری سانس ہوا کے سپرد کرتا خود بھی باہر آیا۔ گھر سے آئی کال نے اس کی ڈنر ڈیٹ کا شروع ہونے سے پہلے ہی اختتام کر دیا تھا۔

وہ سجاب کو ناراض کر چکا تھا، مگر فی الحال گھر جانے کے، وہ اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ساری سوچوں کو ایک طرف جھٹکتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھا اور گھر تک جاتے راستوں پر روانہ ہو گیا۔

دادی جان کی طبیعت کافی بگڑ گئی تھی۔ انہیں ہسپتال منتقل کر رہے تھے۔ امی نے راستے میں ہی اسے فون کر کے بتا دیا۔ وہ گھر جانے کے بجائے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

دعا مانگنے کے بعد وہ جائے نماز اٹھا کر کھڑی ہوئی تھیں، جب ماورا تیزی سے ان کے کمرے میں آئی۔

''پھپھو! دادی جان کی کوئی خبر آئی ہسپتال سے؟ وہ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں بی پی ہائی ہو گیا تھا۔ سب تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے۔'' حنا پھپھو نے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے جواب دیا۔ رو رو کر ان کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ یہی حال ماورا کا بھی تھا۔ ماں باپ کے جانے کے بعد دادی اور پھپھو ہی تو تھیں، جن کے دم سے اس کی خوشیاں آباد تھیں۔

''لگتا ہے آ گئے سب۔''

باہر سے آتی گاڑیوں کی آواز پر وہ دونوں کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ حسین چنگیزی بیوی اور فرزام کے ساتھ اماں جان کو لیے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ اب بھی دوائیوں کے زیرِ اثر تھیں۔ آرام کی غرض سے اماں جان کو بیڈ روم میں لٹا کر وہ سب واپس لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے بھائی جان؟'' حنا نے حسین چنگیزی سے پوچھا جو خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے، انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھیں۔ اس عمر میں کسی بھی قسم کی ٹینشن ان کی جان بھی لے سکتی ہے۔''

ان کی بات پر دونوں پھپھو بھتیجی دھک سے رہ گئیں۔ اچھے سے جانتی تھیں۔ ان کی پریشانیوں کی اصل وجہ وہ دونوں ہی تھیں۔

''حنا! تم نے شازیہ آپا کو بتا دیا۔ بعد میں وہ شکوہ کریں گی۔''

''جی بھابھی، فون کر دیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔''

فوزیہ چنگیزی اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ چند گھنٹے کی بھاگ دوڑ نے ہی انہیں کافی تھکا دیا تھا۔ فرزام پہلے ہی اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ حسین چنگیزی بھی اٹھ کر ان دونوں کے سروں پر دستِ شفقت رکھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

ناصر چنگیزی اپنے بیوی اور چاروں بچوں سمیت کراچی میں ہی رہائش پذیر تھے۔ خاندان میں کم عمری کی شادیوں کا رواج تھا۔ جس کے باعث بلقیس چنگیزی نے بڑی بیٹی شازیہ کو انٹر کے بعد ہی اپنے بھانجے اسفند کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ اور اب وہ اپنے تین بچوں کامران، وانیہ، سجاب اور شوہر اسفند کے ساتھ کراچی میں ہی مقیم تھیں۔ ان کے بعد حسین چنگیزی تھے۔ جن کی شادی چچازاد فوزیہ سے ہوئی تھی۔ ان کے دو بچے تھے۔ بڑا بیٹا فرزام اور اس سے تین سال چھوٹی صبا۔

تیسرے نمبر پر رمیز چنگیزی تھے۔ جنہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ماں باپ کو اپنی کلاس فیلو نادیہ سے شادی پر راضی کیا تھا۔ یوں شادی کے پہلے اور کالج کے دوسرے سال میں ہی ماورا کی صورت اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے نواز دیا تھا، مگر ان کی خوشیوں کا ٹائم

پیریڈ خاصہ مختصر تھا کہ بیٹی کی پیدائش کے دو سال بعد ہی اچانک دل کا دورہ پڑنے سے وہ اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے تھے۔ عدت کے بعد نادیہ کے گھر والے اپنی بیٹی کو ساتھ لے گئے تھے، کہ جوان بیٹی کو عمر بھر بیوہ کے روپ میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ادھر جوان بیٹے کی اچانک موت کے غم میں ناصر چنگیزی بھی آئے دن بیمار رہنے لگے تھے۔ جب ایک سال بعد وہ بھی دماغ کی رگ پھٹنے سے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی وفات کے بعد بلقیس بیگم ہی تھیں جن پر بارہ سالہ چھوٹی بیٹی حنا کے ساتھ ساتھ تین سالہ پوتی کی ذمہ داری بھی سر پڑ گئی تھی۔ وہ اب تنہا ماں کے فرائض انجام دینے کے لیے خود کو تیار کر چکی تھیں کہ وہ بیٹیوں کی ذمہ داری شادی شدہ بچوں پر نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ اس لیے سترہ سال کے ہوتے ہی حنا کا رشتہ دیکھ کر اسے رخصت کر دینا چاہتی تھیں۔ جس کے بعد بس ماورا کی ذمہ داری ہی ان کے کمزور کاندھوں پر رہ جاتی۔

حنا کے رشتے کیلئے انہیں زیادہ تگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اٹھارویں سالگرہ میں بس دو ماہ ہی باقی تھے، جب ایک دن ان کی تایا زاد کزن خود اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر ان کے گھر چلی آئی تھیں۔

شہریار منصور اپنے ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھا۔ اعلیٰ تعلیم لندن سے حاصل کرنے کے بعد وہ وہیں اپنا کاروبار بھی جمانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ یوں تو وہ حنا سے عمر میں آٹھ سال بڑا تھا، لیکن بلقیس بیگم کو یہ رشتہ کسی نعمت سے کم نہیں لگا تھا۔ باقی حسین چنگیزی نے بھی اپنی طرف سے جانچ پڑتال کر لی تھی۔ ان کی طرف سے رضامندی ملتے ہی نیلم بیگم نے شہریار کو چند دنوں میں ہی پاکستان بلا لیا تھا۔ جس کے بعد ان کا نکاح خاندان میں دھوم دھام سے ہوا تھا۔ چونکہ شہریار منصور ابھی اپنا بزنس سیٹ کرنے میں مصروف تھا۔ اس

لیے رخصتی ایک سال بعد رکھی گئی تھی۔ پر دونوں خاندانوں کا انتظار سال سے بڑھ کر سالوں میں بدل گیا تھا کہ شہریار منصور نکاح کے بعد واپس لندن ایسا گیا کہ پھر کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن صبح ہی بلقیس بیگم کی بڑی بیٹی شازیہ آپا سجاب اور شوہر کے ساتھ چنگیزی ہاؤس چلی آئی تھیں۔ گھر میں سوگواری چھائی ہوئی تھی۔ وہ نم آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہی تھیں۔ جو اب بھی بے چین دکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا ہوا اماں! کچھ چاہیے؟''

''حسین اور فوزیہ کو بلاؤ، مجھے ضروری بات کرنی ہے۔'' ماں کے حکم پر اثبات میں سر ہلاتی وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی فوزیہ اور حسین چنگیزی ان کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''اماں! آپ نے بلایا؟''

''ہاں۔ تم سے اور فوزیہ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے اماں جان؟'' حسین چنگیزی ان کے ضعیف ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے کر نرم سے گویا ہوئے۔

''حسین! تم جانتے ہو اس عمر میں اگر مجھے کوئی پریشانی ہے تو وہ حنا اور ماورا کی ہے۔ حنا کا تو چلو نکاح ہو گیا۔ اللہ نے چاہا تو شہریار بھی پلٹ کر آ جائے گا۔ مگر ماورا۔۔۔ میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رخصت ہو کر اپنے گھر کا ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ لیکن اب میں حنا جیسی غلطی دوبارہ دوہرانا نہیں چاہتی، اس لیے میں چاہتی ہوں فرزام اور ماورا کی شادی کرا دی جائے۔ گھر کی بات ہے گھر میں ہی رہ جائے گی۔''

بلقیس بیگم نے اپنی بات ختم کر کے ان تینوں پر نظر ڈالی جو خاموش بیٹھے ایک دوسرے کے چہرے تک رہے تھے۔

''تم کچھ کہتے کیوں نہیں؟'' انہیں خدشہ ہوا کہ وہ منع نہ کر دیں۔ بات جب اپنی اولاد پر آئے تو فرمانبردار اولاد بھی باغی بن جاتی ہے۔

''اماں جان! آپ فکر نہ کریں۔ جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا، پرسوں جمعہ ہے۔ ہم فرزام اور ماورا کا نکاح پڑھوا دیں گے۔''

فوزیہ کو حسین چنگیزی کے رضامندی ظاہر کرنے اور یوں جلد بازی دکھانے پر اعتراض تھا۔ پر ساس کی طبیعت کے باعث خاموش رہی تھیں۔

خوش تو شازیہ بھی نہیں تھیں۔ دونوں بڑے بچوں کی شادی کے بعد اب ان کا ارادہ حسین چنگیزی سے بات کر کے فرزام اور سجاب کی شادی کرانے کا تھا، مگر اماں جان نے تو ان کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

''آنی! یہ اتنی دیر سے بند کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟ کونسی میٹنگ ہو رہی ہے؟'' لاؤنج میں آتی سجاب نے صوفے پر بیٹھی حنا سے پوچھا۔ جو اپنے موبائل کے ساتھ مصروف دکھائی دے رہی تھیں۔

''بڑوں کی باتیں ہم کیا جانیں۔'' ایک نظر اسے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اچھا، آج آپ آفس نہیں گئیں؟'' سجاب نے اس کے برابر جگہ سنبھالتے یونہی بات نکالی۔

''اماں جان کی طبیعت کی وجہ سے گھر پر ہی رک گئی۔''

''ویسے آنی! آپ اس خاندان کی واحد لڑکی ہیں۔ جس نے ماسٹر کر کے باہر جاب

بھی شروع کر دی۔ اچھا ہی ہوا نا شہریار خالو نے رخصتی نہیں کرائی ورنہ آپ بھی بس انٹر پاس ہوتیں۔''

سجاب اپنی نادانی اور روانگی میں بولتی چلی گئی تھی، جبکہ حنا نے اپنی گود میں رکھے کشن پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ شہریار منصور کا ذکر اسے نئے سرے سے تکلیف پہنچا جاتا تھا۔

''حنا! اماں جان بلا رہی ہیں۔'' بلقیس بیگم کے کمرے سے باہر نکل کر آتی فوزیہ نے حنا سے کہا۔ ان کے پیچھے ہی شازیہ اور حسین چنگیزی بھی تھے۔

حنا اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کر اماں جان کے کمرے میں چلی گئی۔ بلقیس بیگم چاہتی تھیں، حنا ماورا سے بات کر کے نکاح کیلئے راضی کرے۔ ماورا کو کیا اعتراض ہونا تھا۔ اس نے فیصلہ حنا اور بلقیس بیگم پر چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف فرزام کو راضی کرنا حسین چنگیزی کی ذمہ داری تھی۔ جو کہ اتنی بھی آسان نہیں تھی۔ وہ بیٹے کے ضدی مزاج سے بخوبی واقف جو تھے۔

دوسری طرف شازیہ نے سجاب کو کمرے میں ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا۔ نئی نئی محبت کی کھلتی کلی یوں مرجھا جائے گی، اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ بہت کچھ سوچ کر بہت کچھ رد کرنے کے بعد اس نے فرزام سے بات کرنے کا سوچا تھا۔ گو کہ ان کے درمیان اس نوعیت کی نہ تو ملاقاتیں تھیں نہ باتیں۔۔ جھجک فطری تھی، مگر کل کی پہلی اور ادھوری ڈنر ڈیٹ کو ہی جواز بنا کر وہ اس سے بات کرنے کا سوچ چکی تھی، اور اب اس سے پہلے ماموں جان اس سے بات کر کے اس رشتے کیلئے راضی کرتے۔ وہ اس سے دوٹوک بات کر لینا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایک کلائنٹ سے میٹنگ نمٹا کر وہ واپس اپنے آفس آیا تھا۔ جہاں حسین چنگیزی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے رسیپشنسٹ نے پہلے ہی ان کی آمد کا بتا دیا تھا۔ وہ سلام کرتا ہوا ان

کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے۔ مجھے بلا لیتے۔''

''ہاں سب ٹھیک ہے۔ بس تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔ گھر پر کوئی تماشا نہ ہو اس لیے وہ آفس چلے آئے تھے۔ اچھے سے جانتے تھے ورکرز کی موجودگی میں فرزام کوئی تماشا نہیں کرے گا۔

''فیصلہ۔۔ کیسا فیصلہ؟'' وہ الجھا۔

''تمہاری اور ماورا کی شادی کا فیصلہ۔ جمعہ کو تمہارا نکاح ہے۔'' حسین چنگیزی نے اس انداز میں بتایا جیسے کسی میٹنگ کی تفصیلات بتا رہے ہوں۔

''واٹ! ایسے کیسے آپ میری شادی مجھ سے پوچھے بغیر طے کر سکتے ہیں؟'' فرزام شاکڈ میں گھرا سوال کر رہا تھا۔ اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ بابا نے اس کی شادی کی ہی بات کی ہے۔

''تمہارے باپ ہیں ہم، سب کچھ کر سکتے ہیں۔ شادی کیا چیز ہے۔'' وہ سکون سے بولے۔

''پر بابا۔۔۔''

''انکار کی صورت تمہیں جائیداد سے عاق کر کے گھر اور آفس دونوں سے نکال دیا جائے گا۔ اس لیے اچھے سے سوچ لو۔''

زمانے سے چلی آ رہی، باپ کی طرف سے دی جانے والی دھمکی، آج اسے بھی دے کر تاریخ کو برقرار رکھا گیا تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ کہنے کو اب کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

حسین چنگیزی اس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے اٹھ کر آفس سے باہر چلے گئے۔ چند لمحے وہ یونہی ساکت بیٹھا رہا۔ جب موبائل پر آتی کال نے اس کی توجہ اپنی جانب

کھینچی۔ سجاب کی کال تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ اسے کال کرتی رہی تھی۔ مگر میٹنگ میں ہونے کے باعث وہ اٹھا نہیں سکا تھا۔ لیکن اب اس کال کا مقصد وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا۔ موبائل سائلنٹ پر لگا کے اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔ فی الحال اس کا دماغ ابھی کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہونا وہی تھا۔ جو حسین چنگیزی نے کہا تھا۔ چار دن کی پسندیدگی کیلئے فرزام سب کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ دادی جان کا فیصلہ تھا۔ جس کی خلاف ورزی وہ واقعی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے حسین چنگیزی کو اس نے ماورا کیلئے 'ہاں' کہہ دیا تھا۔ جس کے بعد گھر میں نکاح کی تیاری زور و شور سے شروع ہو چکی تھی۔ سجاب مسلسل اس سے رابطے کی کوشش میں تھی۔ جسے وہ جان بوجھ کر اگنور کیے جا رہا تھا۔ اس کی نظر میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ جو سجاب کے ساتھ زیادتی کے زمرے میں آتا۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' راستے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر کیوٹ سی سجاب پر پڑی تھی، جو ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے کھڑی تھی۔ پاس ہی ڈرائیور گاڑی کا بونٹ کھولے اس پر جھکا ہوا تھا۔

''گاڑی خراب ہو گئی میری۔'' وہ منہ بسور کر بولتی، فرزام کو اور بھی کیوٹ لگی تھی۔ یہ نٹ کھٹ سی کزن کچھ دنوں سے اسے اپنی طرف کھینچنے لگی تھی، مگر ابھی اس نے اس بات کا اعتراف خود سے بھی نہیں کیا تھا کہ آیا واقعی اسے پسند کرنے لگا ہے یا نہیں۔

''آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ ڈرائیور گاڑی گھر لے آئے گا۔'' اس نے شوپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے لے کر پچھلی سیٹ پر رکھے اور اس کیلئے آگے سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

سجاب مسکراتی ہوئی آگے بیٹھ گئی۔

''اور پڑھائی کیسی جارہی ہے؟''

چند لمحے خاموشی سے ان کے درمیان گزرے پھر اس خاموشی کو فرزام نے ہی توڑنے میں پہل کی۔

''ہاں اچھی جارہی ہے۔'' سجاب نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ جس کے بعد ایک بار پھر دونوں طرف خاموش چھا گئی۔ آدھا سفر طے ہو چکا تھا۔ ماحول میں چھائی معنی خیز خاموشی سجاب کو بے سکون کر رہی تھی۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے؟ نانی جان کیسی ہیں؟'' اب کے اس نے خاموشی کو توڑا۔

''سب ٹھیک ہیں۔ دادی جان کی طبیعت بھی بہتر ہے۔ بلکہ وہ تو پھپھو کو یاد بھی کر رہی تھیں۔ کافی دن ہو گئے تم لوگ گھر نہیں آئے۔''

''امی ایک دو دن میں چکر لگائیں گی۔'' بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے وہ بس اتنا ہی بولی۔ پھر باہر راستے پر نظریں جما لیں۔ گھر کے سامنے گاڑی رکی تھی، جب وہ پیچھے سے شاپنگ بیگ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟'' فرزام کو سامنے راستے پر نظریں جمائے بیٹھے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

''نہیں ضروری کام ہے آج۔''

''ٹھیک ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر اترنے لگی تھی کہ فرزام کی آواز پر چونک کر واپس پلٹی۔

''کل ڈنر پر چلو گی؟''

چند لمحے یونہی خاموشی سے سر کے۔ جھجک فطری تھی۔ لیکن وہ اس موقع کو گنوانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ دھیمے تبسم کے ساتھ 'ٹھیک ہے' کہتی وہ گاڑی سے اتر گئی تھی۔

اگلے دن فرزام نے صبح ہی فون کر کے جگہ اور وقت بتا دیا تھا۔ ڈنر ڈیٹ کی خوشی میں وہ دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ دونوں ہی وقت پر پہنچ گئے تھے، مگر ڈنر آرڈر کرنے سے پہلے ہی گھر سے دادی جان کی طبیعت خرابی کی کال آ گئی۔ جس کے باعث اس کی ڈنر ڈیٹ وہیں ادھوری رہ گئی تھی۔ فرزام نے سوچا تھا وہ بعد میں اسے منا لے گا، لیکن حالات اس طرح بدل جائیں گے، یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

''تم خوش ہو نا ماورا؟'' حنا نے عروسی جوڑے میں سجی سنوری ماورا کو دیکھا۔ جس کا رنگ روپ آج الگ ہی چھاپ چھوڑ رہا تھا۔ ہمیشہ سادہ رہنے والی ماورا پر آج پریوں کا سا گمان ہو رہا تھا۔

''خوشی کا تو پتا نہیں پھپھو لیکن میں مطمئن ہوں۔''

آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے نظریں ہٹا کر اس نے مڑتے ہوئے پیچھے کھڑی حنا کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ آج جو اس کی کیفیت تھی اس پر اچانک اسے حنا اور شہریار کا خیال آیا تھا۔ شہریار سے نکاح کے وقت اس کی پھپھو کے بھی تو کتنے ارمان ہوں گے۔ جن کی پروا کیے بغیر وہ شخص اپنے ساتھ باندھ کر بھی انہیں تنہا چھوڑ گیا تھا۔

''کیا ہوا، ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

اس کی محویت سے دیکھنے پر حنا جھینپ سی گئی۔ بلیک ڈریس میں مناسب میک اَپ کے ساتھ وہ آج بھی اتنی ہی پرکشش اور پیاری لگتی تھی۔ مانو یوں کہ ماہ و سال کی گرد اسے چھو کر بھی

نہ گزری ہو۔

''بس ایسے ہی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔''

بہت کچھ کہنے کی اپنی خواہش کو دباتے ہوئے، ماورا نے مسکرا کر انہیں چھیڑا۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔اس کی باتیں حنا کو آج کے دن اداس کریں۔

''مکھن نہ لگاؤ لڑکی۔'' حنا نے ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''پھپھو! نکاح خواں آ گئے ہیں۔'' صبا کمرے میں آتے ہوئے بولی۔

''ہاں بس ہم بھی تیار ہیں۔لڑکی تم نے مجھے باتوں میں لگا کر بھلوا ہی دیا۔'' صبا کو جواب دے کر وہ ماورا سے بولیں۔جو دھیرے سے مسکرا دی۔

چند منٹ بعد حسین چنگیزی قاضی صاحب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خواتین بھی ان کے پیچھے ہی تھیں۔نکاح نامے پر سائن کرتے وقت اپنے باپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے اسے شدت سے رونا آیا تھا۔خود پر ضبط کرتے ہوئے اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے تھے جس کے بعد حسین چنگیزی اس کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، قاضی صاحب کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔ان کے جانے کے بعد وہ حنا کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔

وہیں دوسری طرف لاؤنج میں ایجاب وقبول کے بعد سب فرزام سے گلے مل رہے تھے۔ جب اچانک اس کی نظر سجاب پر پڑی تھی۔جو ایک کونے پر کھڑی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ نظریں چراتا بلقیس بیگم کے سامنے جھکا۔اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

حنا اور صبا ماورا کو بھی لاؤنج میں لے آئی تھیں، جہاں اسے صوفے پر فرزام کے برابر

بٹھا دیا تھا۔ سب خوش ہوتے انہیں مستقبل کیلئے دعائیں دے رہے تھے۔ جب سجاب اپنے آنسو صاف کرتی لاؤنج سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر بنے کمروں کی طرف چلی گئی۔ اس کو جاتے دیکھ فرزام کو یکدم افسوس نے آن گھیرا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سجاب کا دل دکھا بیٹھا تھا۔ اس کے چھوٹے سے عمل نے ہی اس لڑکی کو تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ یکدم ہی اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔ یہاں تک کہ پاس بیٹھی دلہن پر بھی ایک نظر تک ڈالنا گوارہ نہیں کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ عرصہ ہوا تھا۔ اس چہرے کو دیکھے ہوئے۔ کتنی دعائیں کی تھیں، اس چہرے کو دیکھنے کیلئے۔ قریب جا کر اس کو چھو لینے کی بیتابی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ اس کا اسے دیکھ کر چونکنا، رکنا اور پھر دھیرے دھیرے اس کی جانب قدم بڑھانا وہ فدا ہی تو ہو گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

عین مقابل ہو کر ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہمیشہ کی طرح پہل اس نے کی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

چند پل پہلے موجود بہت کچھ کہنے اور بہت کچھ سننے کی خواہش اس پل دم توڑ گئی تھی۔ وہ دونوں اس پل اور اس لمحے بس ایک دوسرے کو دیکھتے رہنا چاہتے تھے۔ کہنا چاہیں بھی تو 'دیدارِ یار' کے بعد اب کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔

جانے کتنے لمحے ان دونوں کے درمیان یوں خاموشی میں گزرے، جب نرم گرفت کے

ساتھ اس پری پیکر کا ہاتھ اپنے مضبوط گرفت میں تھام کر وہ سمندر کی آتی جاتی لہروں کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی سمندر کی لہروں کو دیکھتی خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ جب اس کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟''

☆.....☆.....☆

عشاء کی نماز کے بعد وہ دروازے کو دھکیلتی بلقیس بیگم کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ہاتھ میں تسبیح لیے بیٹھی تھیں، اسے دیکھتے ہی اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ ماورا چلتی ہوئی ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''آج میری بیٹی پر بڑا روپ آیا ہے۔''

گھنٹوں پہلے ہوئے نکاح کے بعد اب وہ اپنے سادہ لون کے شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ پھر بھی پیاری لگ رہی تھی۔ دادی جان کی بات پر وہ جھینپ سی گئی۔

''مجھے تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے میں تجھے کچھ دینا چاہتی ہوں۔''

اپنے پاس رکھے چھوٹے سے صندوق سے مخمل کا تھیلا باہر نکالا۔ جس میں سونے کے دو بھاری کنگن تھے۔

''یہ فرزام کی بیوی کیلئے بنوائے تھے، اب تمہارے ہیں۔'' دادی جان نے باری باری دونوں کنگن اس کے ہاتھوں میں پہنا دیئے۔

''میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا بیٹا۔ گھر کو آباد رکھنے کی ذمہ داری عورت کی ہوتی ہے۔ مرد چاہے جیسا بھی ہو، عورت کیلئے یہی کافی ہوتا ہے کہ مرد کا نام اس کے نام سے جڑا ہے۔

چاہے وہ پاس ہو یا نہیں۔"

بلقیس بیگم پرانے زمانے کی سوچ رکھنے والی خاتون تھیں۔ اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں، آج وہ اچھے سے سمجھ گئی تھی۔ شہریار کے پلٹ کر نہ آنے اور اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی حنا نے اب تک خلع کیوں نہیں لی۔ آج اسے اچھے سے سمجھ آ گیا تھا کہ بیوی کے نام کے ساتھ جڑا شوہر کا نام ہی کافی تھا۔ سالوں پہلے بھی حنا کو شاید یہی تلقین کی گئی تھی اور آج اسے بھی اسی بات کا درس دیا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے دادی جان کو دیکھتی رہی۔ بہر حال اختلاف کرنے کی ہمت حنا میں نہیں تھی تو اس میں بھی نہیں تھی۔ سو چپ رہنا بہتر سمجھا۔

"فرزام اچھا بچہ ہے۔ مجھے پورا یقین ہے، وہ تیرا ہمیشہ خیال رکھے گا۔ تم نے بھی ایسا کوئی کام نہیں کرنا جو وہ تم سے متنفر ہو۔"

وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ اگر سارا قصور عورت کے حصے میں ہے تو پھپھو نے ایسا کیا جرم کیا تھا جو شہریار پھپھا نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا مگر خاموش۔

"سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟"

"بے فکر رہیں دادی جان! میں پوری کوشش کروں گی اس رشتے کو نبھانے کی۔ بالکل اس طرح جیسے حنا پھپھو بھی آج تک رشتے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔"

ان کے ضعیف ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھامے وہ یقین دلاتے ہوئے بولی۔ یہ سچ بھی تھا کہ اس رشتے کو نبھانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

"سدا سہاگن رہو۔ اب جاؤ اور میرے پاس ذرا حنا کو بھیجنا۔"

وہ "جی اچھا" کہتی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح کے نو بجے تھے جب وہ آفس میں داخل ہوئی۔ یہ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی تھی۔ جہاں وہ ناصر صاحب کی پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے جاب کر رہی تھی۔ اسٹاف سے سلام دعا کرتی ابھی وہ اپنے کیبن میں داخل ہوئی تھی۔ جب سامنے ٹیبل پر اسے سرخ گلابوں کا گلدستہ نظر آیا۔

''آج پھر۔۔۔''

اس کے لب ہلے۔ دو ماہ سے ہفتے میں ایک بار یہ پھول لازمی اس کی ٹیبل پر موجود ہوتے تھے۔ پیون خاموشی سے یہ پھول اس کی ٹیبل پر رکھ دیتا تھا۔ کہاں سے آئے، پوچھنے پر کوریئر والا دے گیا ہے، کہہ کر جان چھڑا لیتا تھا۔ پر آج ان پھولوں کے ساتھ خط بھی موجود تھا۔ جو پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ اس نے خط کو کھولا۔ اندر لکھی تحریر پر اس کا دل ایک لمحے کیلئے دھڑکا تھا۔

''ڈیئر حنا!

مجھے یقین ہے ان پھولوں کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح تم آج بھی حیران ہوئی ہوگی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں، تم جاننا چاہتی ہو کہ میں کون ہوں۔ کیوں پھول بھیج رہا ہوں، اب تک تو تم اس کا مقصد سمجھ گئی ہوگی۔ یقین جانو مجھے دیکھنے کیلئے جتنا تم متجسس ہو اتنا ہی میں بے قرار ہوں۔ بہت جلد اس راز سے بھی پردہ اٹھ جائے گا۔ بس تب تک میری جان کا خیال رکھنا۔ اس کے بعد تو تمہاری ہر ذمہ داری میری ہے۔ مائے لو۔

تمہارا۔۔۔ صرف تمہارا۔۔۔ عالی!''

خط ہاتھ میں تھامے وہ ساکت کھڑی تھی۔ یہ کون تھا۔ جو دعوے دار بننے چلا آیا تھا۔ اچانک ہی اسے خوف سا محسوس ہونے لگا۔

''گھر پر بھائی کو بھی نہیں بتا سکتی۔ وہاں الگ پریشانی کھڑی ہو جائے گی۔''

وہ جانتی تھی۔ گھر تک بات پہنچتی تو اس کی رخصتی پر بات آ کر ختم ہوتی اور اب وہ کسی پر زبردستی مسلط نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اتنے عرصے میں وہ اچھے سے سمجھ گئی تھی کہ وہ ان چاہی منکوحہ ہے۔ من چاہی بیوی نہیں بن سکتی۔

''مجھے ناصر سر سے بات کرنی چاہیے۔ شاید وہ کچھ مدد کر دیں۔'' وہ سوچتی ہوئی اپنے کیبن سے نکل کر سر ناصر کے روم کی جانب بڑھ گئی۔

کافی اور میلز ان کے سامنے رکھنے کے بعد وہ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملائے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ ناصر صاحب نے نظریں اٹھائے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ حنا ان کے مرحوم دوست کی بیٹی تھی۔ اس کے ایک بار کہنے پر ہی انہوں نے اسے اپنے آفس میں جاب پر رکھ لیا تھا۔ ان کا احسان ہی تھا کہ اس نے بھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

''سب ٹھیک ہے بچے؟''

''جی سر۔ بس آپ کا تھوڑا وقت چاہیے۔ کچھ بات کرنی ہے۔ مطلب بتانی ہے۔''

''بیٹھو ادھر۔''

گلاسز اتار کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی بیٹھ گئی۔

''کہو، کیا بات ہے؟''

''سر! پچھلے دو ماہ سے مجھے گلاب کے پھول موصول ہو رہے ہیں اور آج تو خط بھی ساتھ تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا یہ کون ہے۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

''میں جانتا ہوں۔ ایک دو بار تو میرے سامنے پیون وہ پھول لے کر آیا ہے۔'' ناصر صاحب سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے سر۔ کہیں میں کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم فکر نہیں کرو، میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس سب کے پیچھے کون ہے۔'' ناصر صاحب نے اسے تسلی دی۔ انہیں اچھے سے اندازہ تھا کہ یہ بات اگر لوگوں کو پتا چلی یا اس کے گھر والوں کو علم ہوا تو دامن داغ دار بھی اسی معصوم کا ہوگا۔

''شکریہ سر! آپ نے واقعی آج تک میرا باپ کی طرح ساتھ دیا ہے۔'' وہ بیحد مشکور تھی ان کی۔

''باپ بھی کہتی ہو، شکریہ بھی ادا کرتی ہو۔'' ناصر صاحب نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی کان پکڑ گئی۔

''اب جاؤ اور اس فرنچ ڈیلیگیشن کی فائل مجھے لا کر دو۔''

''جی سر۔'' وہ فوراً ہی اٹھ کر سر ناصر کے آفس روم سے باہر نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دس بجے کے قریب اپنے کمرے سے نکل کر تیز تیز قدم بڑھاتا وہ باہر کی جانب جا رہا تھا۔ آفس میں اہم میٹنگ تھی اور آج ہی اسے اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ لاؤنج سے گزر کر باہر پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھا ہی تھا جب تیزی سے ماورا اپنا بیگ کندھے پر تھامے باہر آئی۔ دوسری گاڑی میں ڈرائیور شاید اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' فرزام نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سفید یونیفارم پہنے اپنے دھیان میں چلتی ماورا نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

''کالج جا رہی ہوں۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

اپنے اور اس کے بیچ بننے والے اس نئے رشتے نے اسے الگ ہی احساسات میں جکڑ لیا

تھا۔نکاح کے بعد سے وہ اس کے سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔

''او کے، آجاؤ میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' جانے کیا سوچ کر اس نے کہا تھا۔ماورا حیرت سے چلتی ہوئی کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔اس کے بیٹھتے ہی وہ کار بیرونی دروازے سے باہر نکال کر کالج جانے والے راستے پر ڈال چکا تھا۔

''آج لیٹ جا رہی ہو، کیوں؟'' فرزام نے راستے پر نظریں جمائے پوچھا۔

''وہ آج کالج میں تقریری مقابلہ ہے۔'' اپنی خوشی پر قابو پاتی وہ دھیرے سے بولی۔ فرزام کے ساتھ یوں کالج جانا اسے خوشی دے رہا تھا۔

''اچھا، پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

''بہت اچھی۔''

فرزام نے لمحے بھر کو چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔جس کے معصوم چہرے سے الگ ہی خوشی جھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔

''واپسی میں لینے آؤں گا۔میرا انتظار کرنا۔''

کالج کے باہر گاڑی روکنے پر ماورا اتر کر جانے لگی تھی۔جب فرزام نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہا۔وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی گیٹ سے اندر چلی گئی۔

وہ چند پل وہاں رکا جاتی ہوئی ماورا کی پشت کو دیکھتا رہا۔ایک ذمہ داری اس کے کاندھوں پر ڈال دی گئی تھی۔اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر اس ذمہ داری کو قبول کیا تھا۔اب وہ اس سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔

تمام سوچوں کو جھٹک کر وہ گاڑی آگے بڑھاتا اب آفس جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

آنے والے دنوں میں جہاں فرزام اور ماورا کے رشتے میں مثبت تبدیلیاں نظر آنے لگی تھیں، وہیں حنا کیلئے پھولوں اور خطوط کا سلسلہ مزید بڑھ گیا تھا۔ جہاں ہفتے میں ایک بار پیون اس کی ٹیبل پر گلاب کے پھول رکھ کر جاتا تھا۔ اب وہاں روز اسے دکھائی دینے لگے تھے۔ انہیں بھیجنے والے کا اب تک کوئی سراغ ہاتھ نہیں لگا تھا، جس کے باعث وہ بے حد پریشان رہنے لگی تھی۔ پہلے سوچوں کا محور جہاں شہریار منصور ہوا کرتا تھا، اب کچھ عرصے سے اس کی جگہ 'عالی' نے لے لی تھی۔

اتوار کی صبح تھی۔ وہ ابھی کمرے سے نکلی تھی کہ سامنے اسے بلیک پینٹ اور آسمانی رنگ کی شرٹ میں فرزام کھڑا نظر آیا۔ حنا حیرت سے دیکھتے ہوئے اس کی جانب بڑھی۔ اتوار کے دن وہ دوپہر تک پڑا سوتا تھا۔ اس لیے حیران ہونا بنتا تھا۔

''خیریت ہے؟''

فرزام نے چونک کر اسے دیکھا۔

''جی پھپھو۔'' وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیرے سے ہنس پڑا۔

''اتنی صبح جاگنے اور یہاں کھڑے ہونے کی وجہ؟''

ان کا اشارہ ماورا کے دروازے کی طرف تھا۔ مگر اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا۔ ماورا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر آئی اور حنا کو دیکھ کر چونکی۔

چونک تو حنا بھی گئی تھی، اس کی تیاریاں دیکھ کر۔ سفید فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ لال رنگ کا دوپٹہ گلے میں ڈالے، بال کو نیچے سے کرل کر کے کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کلائیوں تک سجی اسٹیل کی چوڑیاں، کانوں میں موجود چھوٹی چھوٹی جھمکیاں، آنکھوں میں کاجل، لبوں پہ ہلکی گلابی لپ اسٹک۔

فرزام تو فرزام، حنا بھی چند لمحوں کیلئے مسمرائز ہوئی تھی۔ وہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی۔

''ڈیٹ پر جارہے ہو؟'' مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''وہ پھپھو۔۔۔'' ماورا تو بوکھلا ہی گئی تھی، انہیں سامنے دیکھ کر۔

''آں! پھپھو پلیز کسی کو بتایئے گا نہیں اور سنبھال لیجئے گا۔ پلیز پلیز پلیز۔'' فرزام نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ، ویسے بھی تم دونوں کا نکاح ہو چکا ہے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ بس خیال رکھنا اس کا۔'' ماورا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔ دونوں اثبات میں سر ہلاتے سیڑھیاں اتر کر باہر کی جانب بڑھ گئے۔ حنا وہیں کھڑی گرل پر ہاتھ جمائے انہیں جاتے دیکھ رہی تھی۔

''اللہ بس ایسے ہی دونوں کو ساتھ ہمیشہ بنائے رکھے۔'' دل سے ان دونوں کی خوشیوں کی دعا کرتی وہ کچن کی طرف چل پڑی۔ اس بات سے انجان کہ آنے والا وقت ان کی زندگیوں میں کتنے طوفان لانے والا ہے۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں اس وقت سی ویو پر موجود تھے۔ نرم گیلی ریت پر پیروں کو چھوتی سمندری لہریں، صبح کی ٹھنڈی تازہ ہوا سکون بخش رہی تھی۔ بات گھومنے پھرنے کی ہو تو ماورا ہمیشہ ساحلِ سمندر کا ہی انتخاب کرتی تھی۔ اس لیے فرزام اسے یہاں لے آیا تھا۔

''موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے نا۔'' اس نے مسکراتی نظروں سے فرزام کو دیکھا۔

''ہاں واقعی موسم تو آج بہت اچھا ہے۔'' اس کی نظریں ماورا کے مسکراتے چہرے پر جمی تھیں۔ ذمہ داری سمجھ کر قبول کیا رشتہ اب اس کی پسند میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ ماورا کے ساتھ اسے

وقت گزارنا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

''ماورا۔۔۔''

اس کے گمبھیر لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ سمندر کی لہروں پر نظریں جمائے کھڑی ماورا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''وعدہ کرو مجھ سے چاہے کچھ بھی ہو جائے کبھی مجھ سے بدگمان نہیں ہوگی۔'' فرزام نے امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے، اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

''وعدہ کرو۔'' اس نے پھر کہا۔ جب ماورا نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی پھیلی چوڑی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔

''تھینک یو!''

اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھنے کے بعد فرزام نے اپنی پینٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی مخمل کی ڈبیا نکالی۔

''ہمارے نکاح کا تحفہ جو مجھ پر ادھار تھا۔''

خوبصورت سی سونے کی انگوٹھی وہ اس کے ہاتھ کی زینت بنا چکا تھا۔

''بہت خوبصورت ہے۔''

وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔ دل میں کہیں جو خدشہ تھا کہ اس کی زندگی بھی حنا پھپھو کی طرح بے رنگ نہ بن جائے۔ فرزام کی توجہ اور محبت نے سارے خدشے دور کر دیئے تھے۔ وہ خوش تھی اس کا ساتھ پا کر، بے حد خوش۔

کچھ دیر اور یہاں رک کر پھر اسے ریسٹورنٹ سے لنچ کروانے کے بعد وہ اسے لیے واپس گھر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ ٹریفک پر رکتے ہوئے سجاب کی نظر ان دونوں پر پڑی۔ اندر کہیں

کچھ ٹوٹا تھا۔ آنسوؤں کو پیتی وہ سامنے لال بتی کو دیکھنے لگی۔ ٹریفک کے کھلتے ہی فرزام نے گاڑی آگے بڑھادی تھی، بالکل اسی طرح جیسے زندگی کے سفر میں وہ آگے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شام کا وقت تھا۔ جب حنا کھانے کی ٹرے لے کر بلقیس بیگم کے کمرے میں داخل ہوئی، سامنے ہی پلنگ پر وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔

''اماں! کھانا کھالیں۔'' ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھ کر، حنا نے انہیں اٹھانے کیلئے جیسے ہی چہرے پر ہاتھ رکھا ان کی گردن دوسری طرف ڈھلک گئی۔

''اماں۔۔۔اماں۔۔۔بھائی جان۔۔۔''

ایک خوف نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اپنے کانپتے وجود کو سنبھالتے ہوئے اس نے حسین چنگیزی کو پکارا۔ اس کی آواز پر چند پل میں ہی سب بلقیس بیگم کے کمرے میں جمع ہو گئے تھے۔

''بھائی دیکھیں نا۔۔تھوڑی دیر پہلے تک تو ٹھیک تھیں، اب کیا ہو گیا۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

فرزام اور حسین چنگیزی انہیں لیے فوراً ہسپتال روانہ ہوئے تھے، پر ڈاکٹر کی طرف سے ملنے والی خبر ان سب کیلئے کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ بلقیس بیگم دنیا و مافیہا سے بے خبر ابدی نیند جا سوئی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھر میں صفِ ماتم بچھ چکا تھا۔ جہاں باقی سب بلقیس بیگم کی وفات پر غم زدہ تھے۔ وہیں حنا اور ماورا نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ ان دونوں کو لگ رہا تھا کہ صحیح معنوں میں وہ اب یتیم ہوئی ہیں۔ ایک ماں کا سہارا تھا، وہ بھی چھین لیا گیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا، میں پھر ملنے آؤں گی۔''

بلقیس بیگم کی تدفین کے بعد آج تیسرا دن تھا۔ جب نیلم بیگم اس سے ملنے آئی تھیں۔ وہ اب روزانہ ہی اس سے ملنے چلی آتی تھیں۔

اب بھی تقریباً دو گھنٹے اس کے ساتھ گزار کر، اسے صبر کرنے، حوصلہ رکھنے کی تلقین کر کے، وہ واپس جانے کیلئے تیار تھیں۔ اس لڑکی کے سامنے آنے کیلئے انہیں کتنی ہمت اور حوصلہ چاہیے ہوتا تھا یہ بس وہی جانتی تھیں۔ ان کے بیٹے نے انہیں اس لڑکی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ شروع میں تو کئی بار شہریار سے رابطہ کر کے رخصتی کروانے کا کہہ چکی تھیں، پر ہر بار اس کے انکار پر اب تنگ آ کر انہوں نے رابطہ ہی ختم کر دیا تھا۔ آگے سے شہریار نے بھی کوشش نہیں کی تھی ان سے بات کرنے کی۔ جس پر وہ مزید اس سے بدگمان ہو گئی تھیں۔

''یہ پیسے رکھ لو۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ سمجھی۔''

حنا کے نہ نہ کرنے کے بعد بھی پانچ پانچ ہزار کے چند نوٹس زبردستی اس کے ہاتھ پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ ان کے بیٹے کی ذمہ داری تھی۔ بلقیس بیگم کی حیات تک وہ پھر بھی اس کی طرف سے کچھ مطمئن تھیں۔ لیکن اب اس کی ذمہ داری انہیں ہی اٹھانی تھی۔ تاکہ روزِ محشر اللہ اور بلقیس بیگم کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔

☆.....☆.....☆

''چلو ماورا، جلدی اٹھو تمہارے پیپرز ہونے والے ہیں اور کتنی چھٹیاں کرو گی۔''

حنا اس کے سر پر کھڑی کب سے اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی پر وہ ایک ہی ضد باندھے بیٹھی تھی کالج نہ جانے کی۔

''دل نہیں کر رہا پھپھو۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ بلقیس بیگم کے جانے کے بعد سے ان

دونوں کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ پر حنا نے پھر بھی خود کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن ماورا وہ اب تک سنبھل نہیں پائی تھی۔

''کسی کے جانے سے دنیا نہیں رک جاتی ماورا۔ انسان کو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ یا تو اپنی خوشی سے یا زبردستی، مجھے دیکھو یہ غم میرا بھی ہے لیکن اس ایک غم کے پیچھے دنیا سے کٹ کر تو نہیں رہ سکتے۔''

وہ اب اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ کر پیار سے سمجھا رہی تھی۔ ماورا نے چہرہ موڑ کر اپنی سوجی ہوئی آنکھوں سے اپنی پھپھو کو دیکھا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ، غم کیسا بھی ہو وہ ہمیشہ آگے بڑھ جاتی تھی۔ زبردستی، دوسروں کی خوشیوں کی خاطر۔

شہریار کے لوٹ کر نہ آنے پر بھی اپنی ماں کی خاطر وہ آگے بڑھی تھی۔ ہمیشہ خود کو خوش ظاہر کرتی تھی۔ آج بھی وہ خود کو سنبھالتی اسے حوصلہ دے رہی تھی۔ ماورا آنکھیں صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس میں ابھی تیار ہو کر آئی۔''

''یہ ہوئی نا بات۔۔ گڈ گرل۔''

دروازے پر کھڑے فرزام کی آواز پر دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ جانے وہ کب آیا تھا۔

''جلدی آؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔'' کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔ اس کے بعد تینوں ہی ایک ساتھ گھر سے نکلے تھے۔ فرزام اپنی گاڑی میں ماورا کو کالج چھوڑ کر اپنے آفس چلا گیا تھا۔ جبکہ حنا ڈرائیور کو ساتھ لیے اپنے آفس پہنچ چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وقت پر لگائے اپنے ساتھ تین ماہ لے گیا تھا۔ زندگی واپس اپنی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ انہی دنوں شازیہ کے دیور حمدان صاحب اپنی بیٹی کی شادی کا کارڈ لیے ان کے گھر آئے تھے۔

ماں کو گئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اس لیے حسین چنگیزی ان سے معذرت کرنا چاہتے تھے، پر حمدان صاحب کے اصرار پر اور شازیہ کے سسرال کا خیال کرتے ہوئے ہامی بھر گئے۔

ایک ہفتے بعد سے شادی کی تقریبات کا آغاز ہونا تھا۔ حسین چنگیزی نے سب کو ہی شادی میں شرکت کرنے کا حکم دیا تھا۔ خاص طور پر حنا کو کیونکہ شہریار سے نکاح کے بعد خاندان میں بنتی باتوں سے دل برداشتہ ہو کر وہ اب سب سے لاتعلق سی رہنے لگی تھی۔ کم ہی کسی دعوت میں شرکت کرتی تھی۔ دوسری طرف شادی کا سنتے ہی صبا نے شاپنگ کا شور مچا دیا تھا جس پر فوزیہ چنگیزی نے صبا اور ماورا کو شاپنگ پر لے جانے کی ذمہ داری فرزام پر ڈال دی تھی۔

''کیسی لگ رہی ہوں میں؟''

آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر سے نظریں ہٹا کر اس نے فرزام سے پوچھا جو سفید شلوار قمیض پہنے اس کے پیچھے کھڑا مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ مایوں کی تقریب کی مناسبت سے پیلے رنگ کی فراک کے ساتھ گرین دوپٹہ لیے ہلکے سے میک اَپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ شادی کے سارے سوٹ فرزام نے اسے اپنی پسند سے ہی دلائے تھے۔ اس کی پسند میں ڈھل کر وہ اسے اپنا دیوانہ ہی تو بنا چکی تھی۔

''اب انتظار نہیں ہوتا۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

اب وہ اکثر ہی معنی خیز جملے کہہ کر اسے چھیڑنے لگا تھا، جس پر ماورا سٹپٹا سی جاتی۔ اب بھی وہ شرم و حیا سے سرخ چہرہ لیے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''لگتا ہے بابا سے بات کرنی پڑے گی۔''

چہرے پر جھولتی شرارتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ ماورا نے بے اختیار اپنے ہاتھ اس کے سینے پر رکھے۔ معنی خیز خاموشی کمرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ چند پل بعد وہ دور ہو کر اس کی لرزتی پلکوں کا رقص دیکھنے لگا۔

''نا جانے کب تم مجھے اتنی اچھی لگنے لگیں کہ اب پل بھر بھی دور رہنا دشوار لگنے لگا ہے۔'' ہاتھ بڑھا کر اس کی پلکوں کو چھوتے ہوئے وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

''بھائی آپ دونوں کا رومانس مکمل ہو گیا تو چلیں۔'' صبا اچانک ہی دروازے سے نمودار ہوئی تھی۔ فرزام نے گڑبڑا کر اسے دیکھا۔ جبکہ ماورا مزید شرم وحیا سے بوجھل ہوتی چہرہ جھکا گئی۔

''ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔'' غصے سے گھورتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔ جس پر صبا کھلکھلا کر ہنستی فوراً نیچے بھاگ گئی تھی۔ وہ بھی مسکراتا ہوا ماورا کی جانب مڑا۔

''اب چلیں اس سے پہلے بابا ہمیں خود بلانے چلے آئیں۔''

فرزام کی بات پر اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیاں اترتی نیچے چلی گئی۔ جہاں سب تیار کھڑے ان کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

مایوں کی تقریب گھر کے لان میں ہی رکھی گئی تھی۔ اس لیے بس خاندان کے لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔ حنا کچھ دیر نیلم بیگم کے پاس بیٹھ کر واپس فوزیہ چنگیزی کے پاس آ گئی تھی۔ صبا اور ماورا اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ مل کر خوب رونق لگائے ہوئے تھیں۔ دلہن کو اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ رسم ادا کرنے کے بعد فوزیہ چنگیزی دوسرے مہمانوں سے ملنے جلنے میں لگ گئیں جبکہ حنا اس وقت اکیلی بیٹھی تھی۔ پانی پینے کی غرض سے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے موجود واٹر

ڈسپنسر کی جانب بڑھی تھی، جب بائیں جانب سے اسے کسی خاتون کی آواز سنائی دی۔

''لگتا ہے شہریار نے وہاں دوسری شادی کر لی ہے، تبھی تو اب تک اسے رخصت نہیں کروایا۔ وہاں کی گوری میم بھلا کہاں برداشت کرتی ہیں دوسری بیوی کو۔''

وہ سلمٰی خالہ تھیں، دور کی رشتے دار پر سب خالہ ہی کہتے تھے۔ نا جانے وہ کب سے اس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ حنا کی آنکھوں میں ایکدم نمی سی ابھری جسے اس نے چہرہ جھکا کر فوراً صاف کیا، خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے جونہی نظر اٹھائی کہ اچانک ہی مہمانوں میں ہل چل سی مچی تھی۔ نوجوانوں کی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرائی تھیں۔ خواتین کی سرگوشیاں اور۔۔۔ اور یہ آواز۔۔۔

''شہریار بھائی آ گئے۔''

بے اختیار اس نے بیرونی دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس وہ رشتے داروں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ دور سے بس جھلک ہی دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ۔۔۔ یہ کیسے؟''

وہ حیران تھی۔ نیلم بیگم سے ملتے وقت بھی انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا ان کی آمد کا۔ پھر وہ کب آئے؟

''کیا نیلم آنٹی کو علم تھا؟''

اس نے مہمانوں کی بھیڑ میں نیلم بیگم کو تلاش کرنا چاہا۔ جب وہ اسے کونے کی ٹیبل پر بیٹھی نظر آئیں۔ وہ بھی شہریار کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے پاس بیٹھی عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا۔ جیسے پہلے ہی ان کی آمد سے باخبر ہوں۔

ایک بار پھر آنکھوں میں ابھرتی نمی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے، وہاں سے ہٹ کر اندر کی جانب بڑھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی شہریار کی نظر اس پر پڑے۔

دوسری طرف شہریار سب سے ملتے ملاتے نیلم بیگم کی طرف بڑھے تھے۔ جب ان کی نظر حنا پر پڑی۔ ہلکے جامنی رنگ کا لباس زیبِ تن کیے، لائٹ سے میک اپ میں وہ آج بھی ویسی ہی دکھتی تھی۔ خوبصورت، معصوم۔۔

کیا بدلہ تھا اس عرصے میں؟ نہیں وہ آج بھی ویسی ہی تھی۔ اگر کچھ بدلہ تھا تو وہ شہریار منصور اور ان کا دل تھا۔

وہ اپنی سنجیدہ نظروں کا رخ بدلتے، نیلم بیگم کی جانب بڑھے۔ سلام دعا کے بعد وہ باقی مہمانوں سے ملنے لگے تھے۔ سب کی توجہ دلہن سے ہٹ کر ان کی جانب لگ گئی تھی۔ سب کے پاس پوچھنے کیلئے بہت سے سوالات تھے۔

خواتین تو باقاعدہ اپنی بیٹیوں کو ساتھ لیے ان سے اور نیلم بیگم سے مل رہی تھیں۔ گھنٹوں سے جاری تقریب میں جہاں اب تک نیلم بیگم عام سی مہمانوں کی طرح بیٹھی تھیں، اب اچانک خاص ہوگئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

رات کتنی ہی تاریک کیوں نہ ہو، اسے سرک کر نئی صبح کو خوش آمدید کہنا ہی پڑتا ہے۔ ساری رات خود سے الجھتے لڑتے، کب صبح ہوئی پتا ہی نہ چلا۔ وہ سو بھی نہ پائی تھی کہ صبح اٹھ کر آفس چلی آئی۔ ذاتی زندگی میں الجھ کر وہ اپنے باقی معاملات کو نظر انداز کرنے کی متمنی ہرگز نہیں تھی۔

اب بھی وہ وقت پر آفس پہنچ گئی تھی۔ اپنے کیبن میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سیدھا سرخ گلابوں پر پڑی تھی۔ اس نے لب بھینچ لیے، آگے بڑھ کر ان پھولوں کو اٹھایا جس کے ساتھ خط

بھی موجود تھا۔

"سنا ہے تیری آنکھوں میں ستارے جگمگاتے ہیں
اجازت ہو تو میں بھی اپنے دل میں روشنی بھر لوں
بسا کر مسکراتی، چاندنی، پونم کی راتوں سے
بنایا ہے خدا نے، آپ تجھ کو، اپنے ہاتھوں سے
مجھے حق ہے کہ تجھ کو دیکھ کر میں، شاعری کر لوں
جو مل جائیں مجھے کچھ مستیاں تیری نگاہوں سے
تو اونچا مرتبہ ہو جائے میرا بادشاہوں سے
تجھے پالوں تو لاکھوں راحتیں آغوش میں بھر لوں
تمنا ہے ملیں طعنے مجھے، تیری محبت کے
بنیں لاکھوں فسانے، ایک چھوٹی سی حقیقت کے
خوشی سے اپنے دل پر میں، یہ ساری، تہمتیں دھر لوں
میری گستاخیوں کو، میرا نذرانہ سمجھ لینا
اگر ایسا نہ ہو تو مجھ کو دیوانہ سمجھ لینا
تیری آنکھوں سے تھوڑی سی، اگر میں دل لگی کر لوں
صرف تمہارا۔۔۔عالی!"

خط کو پڑھتے ہوئے اس کا دل کئی بار دھڑکا تھا۔ جہاں کچھ عرصے سے یہ گم نام شخص اس کے ذہن پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ وہیں کل رات سے اب تک شہریار کی ایک جھلک نے وقت کو واپس پلٹ دیا تھا۔

''کون ہے یہ شخص اور چاہتا کیا ہے؟''

وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔ جو ہو رہا تھا، کسی صورت ٹھیک نہیں تھا۔ اسے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

باقی کا سارا وقت کام میں لگ کر، شام کو واپسی کے راستے گھر جاتے ہوئے بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر اس نے حسین چنگیزی سے اس کے متعلق بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کمرے کے کھلے دروازے پر دھیرے سے دستک دیتے، وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ حنا انہیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''بھائی جان! آپ کو کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتے۔''

اسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کرتے، وہ بیڈ کے قریب کرسی رکھ کر بیٹھ گئے۔

''تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

''جی کیا بات ہے؟''

حسین چنگیزی کا سنجیدہ انداز دیکھ کر بہت سی سوچیں ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

''آج صبح سے میں نیلم خالہ کا انتظار کرتا رہا پر وہ نہ آئیں۔ کل مہمانوں کی وجہ سے بھی میں بات نہ کر سکا پر اب میں فیصلہ کر لیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' وہ چونکی۔

''میں مزید تمہیں اس بے نام رشتے میں بندھے رہنے نہیں دے سکتا۔ اب تک اماں جان کی وجہ سے خاموش تھا۔ پر اب نہیں۔ شہریار سے خلع لے کر ہم تمہارا رشتہ کہیں اور طے کر دیں گے۔ ساری زندگی اس کے نام پر بٹھا کر نہیں رکھ سکتے۔ بس یہ شادی گزر جائے، پھر بلاتے ہیں نیلم خالہ کو۔''

حنا جواس انتظار میں تھی کہ حسین چنگیزی اپنی بات مکمل کریں تو وہ عالی اور اس کے خطوط کی بابت بتائے۔اب سکتے کی حالت میں بیٹھی بے تاثر نظروں سے انہیں دیکھے جارہی تھی۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟'' حنا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے حسین چنگیزی نے پوچھا۔

''نہیں! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' چند لمحے لگے، اس نے خود کو کہتے سنا۔اپنی ہی آواز اسے بڑی بیگانی سی لگی تھی۔

حسین چنگیزی اس کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔جبکہ وہ سن ہوتے دماغ کے ساتھ اب بھی ساکت بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

''تمہارا رشتہ آیا ہے۔''

چائے کا کپ منہ کے قریب لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ پل بھر کیلئے لرزا تھا۔اس نے ماتھے پر بل لیے ماں کو دیکھا۔

''کس کا رشتہ؟''

''وہ فرخندہ باجی اپنے بیٹے کیلئے تمہارے رشتے کی بات کررہی تھیں۔لڑکا پرسوں مایوں میں نہیں آسکا پر آج بارات میں آئے گا دیکھ لینا۔'' شازیہ نے سکون سے جواب دیا۔وہ خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔جبکہ سجاب کو یکدم ہی چائے بہت کڑوی سی لگی۔اس نے فوراً ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیا ہوا۔رک کیوں گئیں؟ ڈھنگ سے ناشتہ کرو۔'' اسے ہاتھ پیچھے کرتے دیکھ کر شازیہ نے فوراً ٹوکا اور دو تین سلائس اٹھا کر اس کی پلیٹ میں ڈال دیئے۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔''

''کیوں؟ختم کرو یہ سب۔'' وہ دوٹوک بولیں۔

جبکہ سجاب کا دل اچانک ہی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ نا جانے کیوں وہ فرزام کی بات دل سے نکال ہی نہیں پا رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے فرزام سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ جس سے وہ اپنے اندر کا غبار نکال پاتی۔

''بس ایک بار۔۔ ایک بار میں تم سے اپنے سوالوں کا جواب حاصل کر لوں پھر تم سے بات کرنا تو دور دیکھوں بھی نہیں۔''

آگے بڑھنے کے لیے اسے ایک بار پھر اپنے زخموں کو خود ہرا کرنا تھا تا کہ وہ ناسور نہ بن جائیں، اب جو مرہم ان پر لگے وہ ہمیشہ کیلئے ان زخموں کو بھر دے۔

اس نے آج ہر حال میں فرزام سے بات کرنے کا سوچا اور جلدی ناشتہ ختم کر کے اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی کہ آج اسے اپنی ایک دوست سے بھی ملنا تھا۔

☆.....☆.....☆

دن کب رات میں ڈھلا کہ خبر ہی نہ ہوئی۔ جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی انہیں گھر سے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی۔ گھر کے سب ہی افراد بارات میں گئے تھے، سوائے حنا کے۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ سب کی نظروں اور باتوں کو برداشت کرتی۔ وہ بھی اب جب شہریار واپس آ گیا تھا۔ اس کی آمد پر جو قصہ دب گیا تھا اب وہ پھر زندہ ہو جانا تھا۔ مایوں میں بھی چند ایک کے علاوہ کسی نے اس کے اور شہریار کے متعلق بات نہیں کی تھی کہ وہ قصۂ پارینہ بن چکا تھا، مگر اب شہریار کی آمد نے ماحول کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ پھر کل رات حسین چنگیزی کی باتیں۔ وہ اب تک بہادری سے حالات کا سامنا کرتی آئی تھی۔ لیکن

اب حالات کو سنبھالنا اسے انتہائی مشکل لگ رہا تھا۔

''میں نہیں جانتی یارب! میرے حق میں کیا بہتر ہے۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں، جو بھی ہوگا میرے حق میں بہتر ہوگا۔''

دعا میں اٹھائے ہاتھ کو چہرے پر پھیرتے ہوئے زیرِ لب دہرایا۔ انداز خود کو باور کرانے والا تھا۔ جائے نماز کو ایک طرف رکھ کر وہ کمرے سے نکل کر لان میں چلی آئی۔ جہاں گیلی نرم گھانس پیروں کو تراوٹ بخش رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چہرے سے ٹکراتی، اسے سکون کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی وہاں لگے جھولے پر جا کر بیٹھ گئی۔ جب بائیں جانب لگا گلاب کا پودا اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ گیا۔ اسے اچانک ہی اس لمحے عالی کا خیال آیا تھا۔ اور دل پھر بوجھل ہو گیا۔

''پتہ نہیں یہ شخص بھی کیا چاہتا ہے۔'' سیاہ بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے اس نے سوچا کہ تبھی ہارن کی آواز کے ساتھ بیرونی دروازہ کھلا اور سفید بی ایم ڈبلیو اندر داخل ہوئی۔

''یہ کون ہے؟''

حنا نے حیران نظروں سے گاڑی کو دیکھا۔ دروازے پر موجود مونس بابا نے اسے اندر کیسے آنے دیا؟ وہ ابھی یہ ہی سوچ رہی تھی۔ جب گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا۔ سیاہ پینٹ کوٹ میں مردانہ وجاہت کا حامل شخص، ہاتھ میں سرخ گلاب لیے اس کی طرف ہی آ رہا تھا۔ بنا پلکوں کو جھپکائے وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔ یہ اگر حقیقت تھا تو ناممکنات میں سے تھا اور اگر خواب تھا تو انتہا کا حسین خواب تھا۔ وہ یونہی اسے دیکھے گئی۔ جانے کتنا وقت گزرا جب سرگوشی کے سے انداز میں اس کا نام ادا ہوا۔

''شہریار!''

''کیسی ہو؟''

ان کی گمبھیر آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ شہریار کی بھاری آواز کا فسوں اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ لان میں جلتے بلب کی روشنی میں اس نے نگاہیں اٹھائے انہیں دیکھا۔ شہریار نے ہاتھ میں تھامے گلاب اس کی جانب بڑھا دیئے۔ جنہیں چند سیکنڈ دیکھنے کے بعد ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے تھام لیا گیا تھا۔

''مجھے امید تھی تم یہیں ملو گی۔''

ایک بار پھر ان کی بھاری آواز گونجی۔ جس پر وہ نظریں جھکائے، چہرہ بھی جھکا گئی۔ ایک بے چینی تھی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ آ گیا تھا۔ سالوں بعد۔۔۔ کیوں؟ اب اس موڑ پر جب وہ یہ رشتہ ختم کرنے کا سوچ رہے تھے تو وہ آیا تھا۔ کیوں؟

''کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟'' اس نے سوچ کو زبان دی۔

''اونہہ! سوال یہ ہونا چاہیے، کیوں نہیں آیا میں یہاں اتنے سال۔''

ضبط کا کڑا امتحان تھا۔ جو حنا سے لیا جا رہا تھا۔ بے اختیار گلاب کے پھولوں کو چھوڑتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے اور نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس کا جھٹکے کھاتا وجود شہریار کو بے بس کر رہا تھا۔ وہ دوزانو اس کے سامنے بیٹھے۔

''حنا میں۔۔۔''

اور دھیرے دھیرے ماضی کے ہر راز سے پردہ اٹھاتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

پہلی نظر کی محبت، پہلی نظر کا پیار کیا ہوتا ہے۔ اس کا علم اکھڑ مزاج، مغرور سے شہریار کو دلہن بنی حنا کو دیکھتے ہوئے ہوا تھا۔ نکاح کے بعد واپس جاتے ہوئے شہریار نے پکا ارادہ کر لیا تھا۔

وہ جلد ہی حنا کو بھی رخصت کروا کر اپنے ساتھ لندن لے آئیں گے۔ دن دن گنتے وہ ایک سال کے گزر جانے کے منتظر تھے۔ جب ایک شب انہیں خط اور چند تصویر موصول ہوئیں۔

جس میں حنا کسی اور سے محبت کی دعوے دار اور ان سے طلاق کی طلب گار تھی۔ تصویروں میں موجود حنا کے ساتھ کسی غیر مرد کی نزدیکیاں شہریار کو کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ خود پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے نیلم بیگم سے بات کرنے کا سوچا۔ رخصتی میں بس ایک ماہ رہ گیا تھا۔ مگر تواتر سے ملتے خطوط اور تصویروں نے ان کا ارادہ یکسر بدل دیا تھا۔ محبت کو کھونے کا دکھ، بیوی کی بیوفائی کا غم، اب نہ وہ اسے رخصت کروا کر آباد کرنا چاہتے تھے نہ طلاق دے کر آزاد۔

سال پر سال گزرنے لگے۔ نیلم بیگم کو بھی شہریار نے کچھ نہیں بتایا تھا کہ اپنی بیوی کا پردہ رکھنا وہ بخوبی جانتے تھے۔ ان کے ہر بار فون کرنے اور رخصتی کے اصرار پر وہ صاف انکار کر کے کال ہی کاٹ دیا کرتے تھے۔ ان کی ضد اور انکار کے آگے نیلم بیگم بھی ہار مان گئی تھیں۔

ایک طرف کیے جانے والا حنا کا طلاق کا مطالبہ تو دوسری طرف نیلم بیگم تھیں۔ جو انہیں فون کر کے حنا کے گھر والوں کی طرف سے کیے جانے والے اصرار کے بارے میں آگاہ کرتی رہتی تھیں۔

وہ خاصے الجھ کر رہ گئے تھے۔ اس لیے اب نہ وہ نیلم بیگم کی کال ریسیو کرتے تھے، نہ حنا کی طرف سے ملنے والے خطوط پڑھتے تھے۔ وہ بس اپنے کاروبار کے ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک بے وفا سے محبت کرنے پر شہریار نے خود کیلئے یہی سزا منتخب کی تھی کہ باقی کی زندگی تنہا رہ کر بس کاروبار کو آگے بڑھانے میں لگا دیں۔ عورت اور عورت کی وفا پر سے اعتبار اٹھ سا گیا تھا۔ کسی اور سے شادی کر کے اب وہ دوبارہ دھوکا نہیں کھانا چاہتے تھے۔

وقت پَر لگائے اپنے ساتھ سات سال لے گیا تھا۔اس دوران اگر کچھ بدلہ تھا تو وہ حنا کے خطوط تھے۔ جو شروع کے پانچ سال تو انہیں تواتر سے ملتے رہے تھے۔ مگر پھر یہ سلسلہ اچانک ہی بند ہو گیا تھا۔تب سے اب تک انہیں کوئی خط نہیں ملا تھا پر نیلم بیگم کی طرف سے وہی ایک مطالبہ تھا، رخصتی کا۔۔۔

''اگر وہ واقعی مجھ سے طلاق چاہتی تھی تو اس عرصے میں اس نے خلع کا کیس کیوں نہیں کیا نہ ہی کوئی انتہائی قدم اٹھایا۔''

کبھی کبھی وہ بیحد الجھ جایا کرتے تھے یہ سوچ کر، لیکن ایسی کئی سوچوں پر وہ خطوط اور تصاویر ہمیشہ غالب آجاتے تھے۔

ان ہی دنوں میں سے ایک صبح وہ گھر سے تیار ہو کر آفس پہنچے تھے۔ جب اپنے آفس میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر بری طرح چونکے، وہ ان کی پھوپھی زاد 'سدوس' تھی۔ پچھلے سال ہی شادی کے ایک ہفتے بعد اپنے شوہر کے ساتھ لندن چلی آئی تھی۔ لیکن ان سے ملنے آج پہلی دفعہ آئی تھی۔

''تم یہاں، کیسے آنا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟'' سلام دعا کے بعد پوچھا۔ شہریار کو لگا تھا شاید وہ اپنے شوہر کی نوکری کی بات کرنے آئی ہے۔

''سب ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ دراصل کچھ بتانا ہے۔'' وہ سر جھکائے دھیرے سے بولی۔ شہریار نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اپنے خاندان کی کافی پراعتماد اور بولڈ لڑکی تھی۔ یوں سر جھکائے بات کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''کیا بتانا ہے؟''

''تمہیں وہ خطوط اور تصویریں میں بھیجتی تھی۔''

اور یہاں پوری دنیا جیسے شہریار کی آنکھوں میں گھوم گئی۔ وہ کن خطوط اور تصویروں کی بات کر رہی تھی انہیں سمجھنے میں ایک لمحہ نہیں لگا تھا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟''

اپنے غصے کو ضبط کرنا آج انہیں انتہائی مشکل کام لگا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی جو اتنی آسانی سے کہہ گئی تھی۔ وہ شہریار نے کس تکلیف سے سہا تھا، یہ بس وہی جانتے تھے۔

''تمہیں یاد تو ہوگا، ایک وقت تھا جب میں تم سے شادی کرنا چاہتی تھی اور تم نے انکار کر دیا تھا، یہ کہہ کر کہ مجھ جیسی بولڈ لڑکیاں تمہیں پسند نہیں۔'' وہ ہنوز سر جھکائے ہوئے تھی۔ شہریار نے لب بھینچے۔

''تمہاری اس بات نے مجھے اتنی تکلیف پہنچائی تھی کہ۔۔۔''

''کہ اس کا بدلہ لینے کیلئے تم نے میری بیوی کو بدکردار بنا کر مجھے اس سے بدگمان کر دیا۔'' شہریار نے تیز لہجے میں تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''ہاں میں چاہتی تھی، جس تکلیف سے میں گزری تم بھی گزرو۔ دھتکارے جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے تمہیں بھی تو علم ہو۔ پر آج جب میں دانش اپنے شوہر سے محبت کرنے لگی ہوں تو۔۔۔'' سدوس نے رک کر گہرا سانس لیا۔

''مکافاتِ عمل کی چکی میں پس کر کہیں میں اسے کھو نہ دوں، یہ ڈر مجھے چین نہیں لگنے دیتا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اس لیے آج میں خود تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی ہاتھ بھی جوڑ لیے۔

شہریار لب بھینچے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اب مزید نہ سدوس کو سن سکتے تھے، نہ اپنے سامنے برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن اپنے سامنے اس کے جڑے ہاتھ دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے

بھی وہ اسے معاف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اس دن کے بعد سے ان کا ایک ایک پل پچھتاوے کی نذر ہو گیا تھا۔ اتنے سال وہ ناحق حنا کو سزا دیتے آئے تھے۔ کہیں غصے میں آ کر وہ اسے طلاق دے دیتے تو۔۔۔ یہ سوچ ہی انہیں تڑپا کر رکھ دیتی تھی۔

شہریار منصور میں ہمت نہیں تھی کہ حنا کا سامنا کر سکیں، پر ایک نہ ایک دن تو انہیں سامنے جانا ہی تھا۔ اپنے کیے کی تلافی انہیں ہی کرنی تھی۔ اس لیے مزید وقت ضائع کیے وہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان چلے آئے تھے۔ اور اب اس کے سامنے تھے۔

☆.....☆.....☆

سیاہ رات میں وہ گھاس پر بیٹھی چہرے پر ہاتھ رکھے زار و قطار رو رہی تھی۔ ساری حقیقت جاننے کے بعد بھی اس نے ایک لفظ لبوں سے ادا نہیں کیا تھا۔ شہریار نے دوزانو بیٹھے اس کے ہچکیاں لیتے وجود کو دیکھا۔ یہ رات اور اس رات تلے بیٹھا اس کا دل اس لمحے کو یہیں قید کر لینے کی خواہش میں تھے۔ شہریار نے ہاتھ بڑھا کر حنا کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ ہوا کے زور پر لہراتی شرارتی لٹوں نے چہرے پر آتے ہوئے حجاب کو قائم رکھنے کی ناکام سی کوشش کی تھی۔

"حنا!"

کیا کچھ نہیں تھا اس پکار میں۔ سرخ ڈوری لیے بھیگے بھیگے سیاہ نینوں نے پلکوں کی جھالر اٹھاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"معافی مل سکتی ہے۔" ایک آس تھی لہجے میں۔

حنا نے اپنے ہاتھ چھڑواتے ہوئے بے دردی سے اپنے آنسوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''گھر والے ابھی شادی میں گئے ہیں۔ایک دو دن بعد آپ کے گھر آ کر فیصلہ سنا دیں گے بھائی۔''

وہ کس فیصلے کی بات کر رہی تھی، شہریار کو ذرا دیر نہیں لگی تھی سمجھنے میں جو ہو گیا تھا وہ اب اتنی آسانی سے بھلائے جانے، قبول کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔اس کے سامنے کھڑے ہو کر بڑی بے قراری سے حنا کے چہرے کو دیکھا۔اس سے الگ ہونے کا خیال تو تب بھی ذہن میں نہیں آیا تھا جب وہ اس سے بدگمان تھے اور اب کہ بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے تو وہ کیسی سنگدل بنی فیصلے کی بات کر رہی تھی۔

''اور مجھے یقین ہے۔تم فیصلہ میرے حق میں ہی دو گی۔''

اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے محبت کی مہر ثبت کی تھی۔حنا اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔شہریار گہری نظروں سے اسے دیکھتے واپس پلٹ گئے۔ہوش تو تب آیا جب ان کی گاڑی دروازے سے باہر نکلی۔اس نے گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔نظر اچانک ہی گلاب کے پھولوں پر پڑی جو شہریار لائے تھے۔ان کو اٹھا کر وہ اندر کی جانب بڑھی جب ان میں چھپا سفید کاغذ بھی نظر آ گیا۔

راہداری میں رک کر ہی اس نے کاغذ نکال کر کھولا۔سر چکرا کر رہ گیا۔

''یہ گلاب میرے گلاب کیلئے۔۔صرف تمہارا عالی۔''اس ایک لائن کو بے یقینی سے کئی بار پڑھا تھا۔

''یہ۔۔یہ عالی ہیں کیسے؟''

وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔الماری کھول کر بہت سے دستاویزات کو اِدھر

اُدھر کرتے ہوئے مطلوبہ کاغذ بھی ہاتھ آ گیا۔

''شہریار عالم ولد منصور علی۔''

نکاح نامے پر درج نام کو وہ بے یقینی سے تک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

مایوں کی طرح بارات کی تقریب کا بھی خوب اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ سب میرج ہال آتے ہی مہمانوں سے ملنے ملانے میں لگ گئے تھے۔ سجاب جو پنک شرارہ زیب تن کیے خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی نظریں فرزام پر ہی جمی تھیں۔ جو اپنے ہم عمر لڑکوں میں گھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اسے اکیلا کھڑا نظر آیا تب موقع غنیمت جان کر اس نے فوراً اسے میسج کر دیا۔

''بس ایک آخری بار۔ میں چھت پر انتظار کر رہی ہوں۔''

میسج پڑھتے ہوئے اس کے ماتھے پر واضح بل پڑے تھے۔ دل کیا نہ جائے، لیکن وہ اب اس تماشے کا اختتام کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا ایک چھوٹی سی غلطی کے پیچھے سجاب اپنی زندگی خراب کرے۔ یہی سب سوچ کر اس نے اپنے قدم چھت کی جانب بڑھا دیئے۔

''کیوں بلایا مجھے یہاں؟''

سجاب جو آتش بازی دیکھتے ہوئے فرزام کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی آواز سن کر پلٹی۔

''اپنے سوال کا جواب چاہیے۔''

''کیا مجھے ماورا کے ساتھ خوش دیکھ کر تمہیں تمہارے سوال کا جواب نہیں ملا؟'' بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پلٹ کر سوال ہوا۔

''تو پھر وہ سب کیا تھا، جو مجھے محسوس ہوا۔''

''غلط محسوس ہوا تھا۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''محبت مجھ سے، نکاح ماورا سے، ہمت نہیں تھی گھر والوں کے خلاف جانے کی؟'' سجاب کا لہجہ مزید تلخ ہوا جبکہ اس سوال پر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا شخص ساکت ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

آسمان پر نظر آتی آتش بازی کو دیکھتے ہوئے اسے اچانک ہی فرزام کا خیال آیا تھا۔ جو ہال پہنچنے کے بعد سے نا جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ نکاح پڑھایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں کھانا بھی کھل جاتا۔ وہ اسے ڈھونڈتی قدم بڑھانے کے ساتھ نظریں بھی دوڑا رہی تھی۔ جب دور سے اس کی نظر بائیں جانب اوپر جاتی سیڑھیوں پر پڑی۔ اوپر جاتے شخص پر اسے فرزام کا گمان ہوا تھا۔ ہال میں فینسی لائٹس جلنے کے باعث وہ ٹھیک سے پہچان نہیں پائی تھی۔ اپنے لہنگے کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے، مہمانوں کے درمیان سے گزرتی وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھی، مگر اوپر پہنچنے پر جو آواز جو سوال اس کی سماعتوں سے ٹکرایا وہ اسے ساکت کر گیا تھا۔

''محبت مجھ سے، نکاح ماورا سے، ہمت نہیں تھی گھر والوں کے خلاف جانے کی؟''

''سجاب مجھ سے غلطی ہوئی تھی پر۔۔۔'' یہ فرزام کی آواز تھی۔ ماورا کا اپنے قدموں پر کھڑا ہونا محال ہو گیا۔ اس نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا اور واپس پلٹ گئی۔ اپنی زندگی کا اتنا کڑوا سچ سننے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔

''پر میری غلطی صرف اتنی تھی کہ تمہیں ڈنر کی آفر کر دی۔ جسے تم ڈیٹ سمجھ بیٹھیں۔'' فرزام بھی اب تلخ ہوا تھا۔

''تم مجھے پسند تھیں۔ اب بھی پسند ہو لیکن بس کزنز کی حیثیت سے، محبت صرف ماورا سے کی ہے۔'' آج اس چیپٹر کو وہ ہمیشہ کیلئے بند کرنا چاہتا تھا۔

''گھر والوں کے ڈر سے اپنی محبت سے دستبردار ہونے والوں میں سے نہیں میں۔ اگر تم سے محبت ہوتی تو آج ماورا کی جگہ تم میرے ساتھ ہوتیں۔ لیکن کیا میں نے کبھی کہا مجھے تم سے محبت ہے؟ دیکھو سجاب تم اچھی لڑکی ہو، یوں خود کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ مجھے اگر جو علم ہوتا میرا چھوٹا سا عمل تمہیں یوں اذیت میں مبتلا کر دے گا تو میں کبھی تم سے ڈنر کا نہ کہتا اور دیکھا جائے تو اچھا ہی ہوا۔ وہ ڈنر شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔'' اسے واقعی ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

سجاب نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔ وہ یہی سمجھی تھی گھر والوں کے دباؤ میں آ کر فرزام نے ماورا سے نکاح کیا تھا۔ مگر اب اپنے سوالوں کا اتنا واضح جواب اور صاف انکار مل گیا تھا کہ کچھ کہنے کیلئے بچا ہی نہیں تھا۔ سب سے بڑھ کر اپنی عزتِ نفس کو وہ اب اس شخص کے سامنے مجروح نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''جو سننا چاہتی تھی، وہ سن لیا۔ فکر نہیں کریں اب تنگ نہیں کروں گی۔''

''میں شرمندہ ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔''

سجاب دھیرے سے مسکرائی۔ درد اب بھی دل کے کسی کونے میں تھا جو وقت کے ساتھ ہی ختم ہونا تھا۔ لیکن اب وہ بھی آگے بڑھنے کیلئے خود کو تیار کر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

ولیمے کی تقریب کے بعد ان سب کی زندگیوں میں جیسے سناٹا سا چھا گیا تھا۔ جو کسی طوفان کے آنے کی گواہی دے رہا تھا۔ ایک طرف حنا کی زندگی کا فیصلہ ہونا تھا تو دوسری طرف ماورا اپنی زندگی کیلئے کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ جو سنا تھا وہ کوئی عام بات نہیں تھی کہ وہ خاموش بیٹھ جاتی۔ ان چاہے ہونے، زبردستی مسلط کیے جانے کا احساس اسے اندر سے کھا رہا تھا۔

''میں دوسری حنا نہیں بنوں گی، ہرگز نہیں۔''

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سلجھاتے ہوئے وہ ابھی بھی سجاب اور فرزام کو سوچ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' فرزام اچانک ہی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ چونکی۔

''میں ایک دو دن سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم کافی پریشان دکھائی دے رہی ہو۔ کیا بات ہے ماورا، مجھ سے شیئر کیوں نہیں کرتیں۔'' شانوں سے تھام کر فرزام نے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

''رزلٹ آنے والا ہے نا، بس اس کیلئے ہی پریشان ہوں۔'' اس نے فوراً بہانہ بنایا۔

''ان شاء اللہ! اچھا ہی ہوگا۔ میں تو سوچ رہا ہوں اب بابا سے رخصتی کی بات کر ہی لیتا ہوں۔ آگے ایڈمیشن ہمارے ہنی مون کے بعد لینا۔'' ماورا کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے، اس کا لہجہ یکدم ہی شوخ ہوا تھا۔

ماورا نے بے تاثر چہرے سے اسے دیکھا۔ آج فرزام کی بات سے اس کے چہرے پر نہ ہی شرم و حیا کے رنگ بکھرے تھے نہ پلکیں بوجھل ہو کر شرم سے جھکیں۔ کچھ کھوجتی نگاہیں اس چہرے پر مرکوز تھیں۔

''ماورا! کوئی بات ہے تو شیئر کرو بات کرنے سے مسئلے حل ہوتے ہیں۔'' ماورا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اب وہ واقعی شک میں پڑ چکا تھا۔ کچھ تھا جو وہ چھپا رہی تھی۔

''وہم ہے آپ کا اور کچھ نہیں۔'' ایک بار پھر رخ موڑ کر وہ خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

''پھر یہ خاموشی کس بات کی؟''

''سر میں درد ہے اس لیے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ سامنے رکھی تیل کی بوتل اٹھا چکی تھی۔

فرزام نے ایک نظر اس کی کمر پر پھیلے بالوں پر ڈالی اور سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا اسے آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ جاتے وقت دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ ماورا نے سختی سے آنکھیں میچ کر نمی کو اندر اتارا اور ایک بار پھر خود کو باور کرانے لگی۔

''میں دوسری حنا نہیں بنوں گی، ہرگز نہیں۔''

☆.....☆.....☆

آج نیلم بیگم اور شہریار کی آمد شام میں ہوئی تھی۔ صبح ملی اطلاع کے باعث فوزیہ چنگیزی نے کھانے کا خوب اہتمام کر لیا تھا۔ لیکن ڈنر سے پہلے شہریار حسین چنگیزی سے مل کے ساری سچائی بتا کر رخصتی کی تاریخ لینا چاہتا تھا۔ ان کی زندگیوں میں پہلے ہی بہت سا وقت برباد ہو چکا تھا۔ وہ اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''پھپھو! کیا لگتا ہے، تایا ابو مان جائیں گے؟'' ماورا نے پلیٹس ڈائننگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''شاید مان جائیں۔ مجھے نہیں معلوم؟'' حنا نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

شہریار نیلم بیگم، فوزیہ، شازیہ اور حسین چنگیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔

ماورا نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ خوش ہیں؟''

''مجھے خوش ہونا چاہیے؟''

سوال کے بدلے سوال پر وہ خاموش ہوئی تھی۔ وقت کے دیئے زخموں کو بھرنے کیلئے بھی وقت درکار ہوتا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو مجھے آج کل تم ٹھیک نہیں لگ رہیں؟'' اسے سوچوں میں گم دیکھ کر حنا نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں میں کچن سے سلاد لے آتی ہوں۔'' ماورا نظر چراتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

ٹیبل پر کھانا سجا دیا گیا تھا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر سب کھانے کی ٹیبل پر آ گئے تھے۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے کے بعد نیلم بیگم شہریار کے ساتھ واپس چلی گئی تھیں۔ باقی سب بھی اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ حنا ملازمہ کے ساتھ کچن کا پھیلاوا سمیٹ کر کمرے میں چلی آئی۔ ابھی باتھ روم سے منہ ہاتھ دھو کر باہر ہی آئی تھی جب حسین چنگیزی اس کے پاس چلے آئے۔ سب کچھ جاننے کے بعد بھی ابھی انہوں نے نیلم بیگم کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ پہلے حنا کی مرضی جاننا چاہتے تھے۔

''بھائی جان! بیٹھیں نا۔''

اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ چند پل کی خاموشی کے بعد حسین چنگیزی گویا ہوئے۔

''حنا! میں نے سوچا تھا اس رشتے کو ختم کر دینگے۔ پر سب جاننے کے بعد اب مجھے لگتا ہے شہریار کو ایک موقع دینا چاہیے۔ میں یہ نہیں کہتا اس سب میں شہریار کی غلطی نہیں۔ قصوروار وہ بھی ہے اگر اسے خطوط اور تصویریں مل رہی تھیں تو اسے ہم سے آ کر بات کرنی چاہیے تھی، مگر اب وقت گزر چکا۔ کیا ہو سکتا تھا کیا نہیں اب یہ باتیں بے معنی ہیں۔ لیکن کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے میں تمہاری مرضی جاننا چاہتا ہوں۔ تم نہیں چاہوں گی تو ہم نیلم بیگم سے معذرت کر کے خلع۔۔۔''

''نہیں بھائی۔'' حنا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ ''میں لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی۔ آپ ان سے انکار یا خلع کی بات مت کیجئے گا۔''

''تم صرف لوگوں کے ڈر سے یہ رشتہ بنانا چاہتی ہو تو یہ ٹھیک نہیں۔'' رشتے کو قائم رکھنے کی خواہش کے باوجود وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حنا مجبوری میں رشتہ نبھائے۔

''اچھے سے سوچ لو کوئی جلدی نہیں ہے۔''

اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

''کیا یہ صرف میری مجبوری ہے؟''

قطرہ قطرہ گزرتی رات میں بہت سے جواب سوچتے، رد کرتے بالآخر فجر تک وہ اپنی زندگی کے اہم فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

بیگ کی زیپ بند کر کے اس نے ایک آخری نظر کمرے پر ڈالی۔ جو فیصلہ وہ ایک ماہ سے نہیں لے پائی تھی۔ وہ اب لے لیا تھا۔

اس کے موبائل کی ٹون بجی۔ موبائل کان سے لگا کر وہ دوسری جانب شخص سے ہدایت لینے لگی۔ کال بند کرنے کے بعد اس نے بیگ اٹھایا۔ وہ جانتی تھی اب تک سب اپنے کمروں میں سونے جا چکے ہوں گے۔ رہا مونس بابا (چوکیدار) کا سوال تو انہیں پہلے ہی کھانے میں دوائی ملا کر دے آئی تھی۔ بے فکری سے چلتی ہوئی وہ لاؤنج سے گزر کر باہر لان کی طرف نکل آئی۔ ایک نظر کرسی پر سوئے مونس بابا کو دیکھا اور بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ گلی کے کونے پر کھڑی بلیک کار کی لائٹس روشن تھیں، وہ چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

''چلیں؟''

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔آنکھوں میں اترتی نمی کو اندر دھکیلتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مجبوری کے رشتے دکھ تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتے۔''اس نے سر پیچھے سیٹ سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔اس اندھیری رات میں وہ سیاہ گاڑی آگے بڑھتی اپنے پیچھے کسی کی زندگی کو بھی تاریکی میں بدل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبح آفس کیلئے تیار ہوتے ہوئے وہ مسلسل شہریار کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ بیڈ پر رکھا موبائل اٹھا کر سامنے کیا تو 'عالی کالنگ' لکھا ہوا تھا۔

وہ حیرت سے اس نام کو دیکھنے لگی۔اسے یاد نہیں تھا یہ نمبر کب، کیسے اس نام سے موبائل میں سیو کیا۔اس نے کال ریس کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! مسز عالی سے بات کرنی ہے۔''شہریار کی شوخ گمبھیر آواز اسپیکر سے ابھری۔

''لیکن میں کسی عالی کو نہیں جانتی۔''مسز عالی نے پر اپنے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''اچھا مجھے تو لگا تھا ایک آپ ہی ہیں جو عالی کو جانتی ہیں۔''

کل بار بار شہریار کو مخاطب کرتے نیلم بیگم کے منہ سے ادا ہوتا 'عالی' اسے بہت کچھ سمجھا گیا

تھا۔کیا وہ چاہتے تھے ماں کی طرح حنا بھی انہیں پیار بھرے نام سے پکارے۔ ہاں! تبھی تو ایک دنیا کے لیے شہریار عالم منصور اس کیلئے صرف عالی تھے۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

خاموشی طویل ہونے لگی تو وہ بولے۔

''ابھی؟''

''ہاں ابھی۔''

''مجھے آفس جانا ہے؟'' نہ ملنے کا بہانہ غلط بھی نہیں تھا۔

''میں ڈراپ کردوں گا۔'' حل بھی فوراً پیش کیا۔

''ٹھیک ہے۔''

کچھ سوچ کر حنا نے حامی بھری۔

تھوڑی دیر بعد ہی اسے شہریار کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔وہ بیگ اور موبائل اٹھا کر باہر چلی آئی جہاں وہ کار میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

تیار ہو کر آفس جانے سے پہلے وہ ماورا کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔روز جانے سے پہلے اس سے مل کر خدا حافظ کہنا اس کی عادت میں شامل ہوتا جا رہا تھا۔دروازے پر پہنچ کر اس نے ناک کیا۔یقین تھا وہ ابھی بھی سو رہی ہوگی۔امتحان کے بعد سے اس کی چھٹیاں تھیں، جس کے باعث اب وہ دیر سے اٹھا کرتی تھی۔فوزیہ چنگیزی نے اس بات پر اعتراض اٹھایا تھا۔لیکن 'ابھی وہ بچی ہے' یہ کہہ کر حسین چنگیزی نے ان کا اعتراض رد کر دیا تھا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ دروازہ کھول کر اندر

داخل ہوا۔ مگر خالی کمرہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''یہ کہاں گئی۔''

کمرے میں نظر دوڑا کر وہ باہر نکلنے کو تھا کہ رکا، پلٹا اور چلتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آیا۔ آئینے پر چسپاں کاغذ کھینچ کر اتارا۔

''فرزام! رشتے زبردستی نہیں بنائے جاتے۔ اگر جو مجھے علم ہوتا آپ اور سجاب ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو میں کبھی یہ نکاح نہ کرتی۔ لیکن اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں دوسری حنا نہیں بننا چاہتی تبھی یہاں سے جا رہی ہوں۔ سجاب سے شادی کر لیجیے گا۔ آپ صبح کمرے میں آئینگے اس لیے یہ خط چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش ہرگز نہیں کیجیے گا۔''

فرزام ساکت کھڑا بے یقینی سے ان چند لائنوں میں گھلے زہر کو کئی بار اپنی رگوں میں اتار چکا تھا، مگر یقین تھا کہ آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

''پھپھو۔۔۔پھپھو۔''

ہوش آتے ہی وہ حنا کو پکارتے ہوئے کمرے سے باہر بھاگا۔ لاؤنج میں ہی صبا، فوزیہ اور حسین چنگیزی موجود تھے۔ اس کی آواز سن کر ایکدم اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا ہوا، کیوں چلا رہے ہو؟'' فوزیہ چنگیزی نے سوال کیا۔

''پھپھو کہاں ہیں؟'' فرزام نے پاس آ کر بے قراری سے پوچھا۔

اسے امید تھی کہ حنا اس بات سے آگاہ ہوں گی، ماورا کہاں گئی ہے۔

''وہ تو جلدی آفس چلی جاتی ہے اب بھی وہیں گئی ہوگی۔ ہوا کیا ہے؟'' حسین چنگیزی بھی ماتھے پر بل لیے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے سوال اور سوال کرتی نظروں کو نظر انداز کر کے وہ حنا کو فون ملانے لگا۔

''فرزام! کچھ پوچھ رہے ہیں ہم۔'' حسین چنگیزی نے برہم لہجے میں پوچھا۔

''بابا! وہ۔۔۔وہ چلی گئی۔''

''کون چلی گئی؟''

''ماورا۔۔۔وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔''

اور اس کی بات پر وہاں بیٹھے سب ہی نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آدھے گھنٹے کی مسلسل ڈرائیو کے بعد شہریار حنا کی نہ نہ کے باوجود اسے ریسٹورنٹ میں لے آئے۔ جہاں وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے محو گفتگو تھے۔

''تمہارا ناراض ہونا بجا ہے حنا۔ پر پھر بھی میں چاہوں گا تم میرے حق میں فیصلہ دو۔''

''کیا اتنا آسان ہے سب بھول جانا؟'' اس نے شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں پورا حق ہے ناراضگی جتانے کا۔ لیکن یہ ناراضگی میرے ساتھ، میرے پاس رہ کر جتاؤ۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا تمہیں منانے کی۔''

شہریار کی معنی خیز بات پر اس نے گڑبڑا کر نظریں جھکا لیں۔

''میرے موبائل میں نمبر سیو آپ نے کیا تھا؟'' اسے اب یاد آیا۔

''ہاں! جب تم کل کچن میں گئی تھیں، تب ٹیبل سے تمہارا موبائل اٹھا کر یہ نیک فریضہ انجام دیا تھا۔''

''لیکن آپ۔۔۔''

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی ٹیبل پر رکھے موبائل پر فرزام کی کال آنے لگی۔ اس نے ایکسکیوز کرتے فوراً کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم۔۔۔فرزام۔''

دوسری جانب سے بس شور سنائی دے رہا تھا۔وہ ایک دم پریشان ہوا تھی۔

''فرزام! کیا ہوا ہے کچھ بولو۔''

''کیا ہوا۔''شہریار بھی فوراً سنجیدہ ہوئے۔

''پتا نہیں یہ۔۔۔''

اور پھر دوسری جانب سے فرزام کے منہ سے ادا ہوئے الفاظ اسے ساکت کر گئے تھے۔

''ماورا نہیں۔''

''کیا ہوا؟''

''مجھے گھر جانا ہے۔''

شہریار کا انتظار کیے بغیر ہی وہ موبائل اور بیگ اٹھا کر ریسٹورنٹ سے باہر بھاگی تھی۔ شہریار بل ادا کر کے خود بھی اس کے پیچھے آئے۔

''حنا کو۔بیٹھو گاڑی میں۔''

اسے بٹھا کر اب وہ خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکے تھے۔ چند منٹ بعد ہی وہ دونوں چنگیزی ہاؤس پہنچ گئے۔ جہاں ایک سناٹا سا چھایا تھا۔سب کے ہوتے ہوئے بھی یوں گمان ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

''فرزام! کیا ہوا؟ ماورا کہاں ہے؟''

''چلی گئی ہمارے منہ پر کالک مل کے۔''فوزیہ چنگیزی انتہائی غصے سے بولیں۔

''اور اپنے بیٹے کے بارے میں کیا خیال ہے۔جو ایک کو نکاح میں رکھ کر دوسری سے عشق لڑا رہا ہے۔''

حسین چنگیزی نے کہتے ہوئے، کڑی نظر فرزام پر ڈالی جو سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ہی صوفے پر صبا گم صم سی بیٹھی تھی۔

''آپ نے بھی تو اس کا رشتہ زبردستی کر دیا تھا۔'' ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹے کی سائڈ پر کھڑی اس کی وکالت کر رہی تھیں۔

''بس کریں، آپ دونوں لڑنا بند کریں اور فرزام کیا ہوا مجھے پوری بات بتاؤ۔'' حنا کے کہنے پر فرزام نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''تم سجاب کو پسند کرتے تھے۔''

خط پڑھنے کے بعد حنا نے شاکڈ میں گھرے پوچھا۔ فرزام کا جھکا سر مزید جھک گیا۔ قصور نہ ہوتے ہوئے بھی وہی ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا تھا۔

''نہیں پھپھو۔۔۔ میں۔۔۔''

اور پھر وہ ساری سچائی بتاتا چلا گیا۔ جس کو سننے کے بعد حنا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''تمہیں اسے بتانا چاہیے تھا، حقیقت کیا ہے۔''

سارے معاملے میں خاموش کھڑے شہریار نے اب لب کشائی کرنا مناسب سمجھا۔ ماورا کی یہ بات 'میں دوسری حنا نہیں بننا چاہتی' سارے معاملے میں انہیں اپنا آپ بھی قصوروار لگ رہا تھا۔

''اس نے مجھ سے نہ کچھ پوچھا نہ سنا، بس فیصلہ سنا کر چلی گئی۔'' فرزام آہستہ سے بولا۔

شہریار نے صوفے پر سر تھامے بیٹھی حنا کو دیکھا۔ انہوں نے بھی تو کچھ پوچھنے، کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اور اتنا عرصہ ناحق اسے سزا دیتے آئے تھے۔

''یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔ ہمیں پتا لگانا ہوگا ماورا کہاں ہے۔'' حسین چنگیزی سخت لہجے میں بولے۔

''کہاں جاسکتی ہے، اپنی ماں کے پاس گئی ہوگی۔''

حنا کی بات پر سب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ ان سب کی نظروں میں چھپا سوال دیکھ کر وہ مزید گویا ہوئی۔

''چند ماہ پہلے جب ہم شاپنگ پر گئے تھے تب نادیہ بھابھی بھی وہاں موجود تھیں۔ میں کپڑوں کی شاپ پر تھی اور ماورا جیولری دیکھنے آگے شاپس پر چلی گئی۔ نادیہ بھابھی بھی ادھر پہنچ گئیں۔ وہاں ان کے درمیان کیا بات ہوئی یہ تو مجھے نہیں معلوم، لیکن گھر آنے پر ماورا نے مجھے بتایا تھا۔ نادیہ بھابھی چاہتی ہیں ماورا ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہے۔ ان کے شوہر کا دو سال پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ اب وہ اپنے بچوں کے ساتھ ذاتی گھر میں رہتی ہیں۔ ان کے بچے بھی چاہتے ہیں کہ ان کی بڑی بہن ان کے ساتھ رہے۔'' حنا نے تفصیل بتائی۔

''آپ مجھے ان کا ایڈریس دیں۔ میں ابھی جا کر ماورا کو واپس لے کر آتا ہوں۔'' فرزام بیتابی سے آگے آیا۔

''میرے پاس ایڈریس نہیں ہے۔''

''اور فون نمبر۔''

حنا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ فرزام نے لب بھینچ لیے۔ وہ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس لیے تیزی سے گھر سے باہر نکل گیا۔

''فرزام۔۔۔''

حنا اور فوزیہ چنگیزی نے ایک ساتھ پکارا پر وہ ان سنی کرتا باہر جا چکا تھا۔

''آپ لوگ فکر نہیں کریں، میں دیکھتا ہوں۔'' ان سب کو تسلی دے کر شہریار خود بھی اس کے پیچھے باہر نکل گئے۔

''بس یہ دن دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔ پہلے ماں اب بیٹی، موقع ملتے ہی گھر سے فرار ہوگئی۔''

فوزیہ چنگیزی کی زہر میں ڈوبی آواز ان سب کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ حسین چنگیزی سر جھٹکتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ جبکہ حنا اور صبا خاموش بیٹھی، ان کے کوسنے اپنی سماعتوں میں اتار رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آنے والے دنوں میں بہت کوشش کے بعد بھی ماورا کہاں ہوسکتی ہے، کوئی سراغ ہاتھ نہیں لگا تھا۔ نادیہ کے میکے والے گھر بیچ کر کہیں اور شفٹ ہوگئے تھے۔ وہ اب کہاں رہتے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ سسرال والوں کا پہلے ہی کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے ماورا کے بارے میں جہاں سے بھی معلومات مل سکتیں وہ سب ہی دروازے بند ہو چکے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ جہاں اندھیرے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ چند پل بعد آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو سوئچ بورڈ تلاش کر کے کمرے کی ساری لائٹس جلا دیں۔ اس کی نظر سیدھا بیڈ کی جانب اٹھی۔ جہاں وہ بازو آنکھوں پر رکھے سیدھا لیٹا تھا۔

''فرزام۔''

حنا کی آواز پر اس نے بازو آنکھوں پر سے ہٹایا۔ سرخ سوجی آنکھیں حنا کے سامنے تھیں۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

''بیٹھ جائیں پھپھو۔''

اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے حنا کیلئے جگہ بنائی۔

''کیسے ہو؟ دو دن سے نظر ہی نہیں آئے۔''

''کیسا ہوسکتا ہوں پھپھو۔'' ایک تلخ مسکراہٹ خود بخود اس کے چہرے پر سج گئی۔

''جو خود کہیں چلے جائیں انہیں ڈھونڈا نہیں جاتا۔تم اس کی تلاش چھوڑ کیوں نہیں دیتے آخر کو وہ بھی یہی چاہتی تھی۔''

''کوشش چھوڑ ہی تو دی ہے۔ورنہ اسے ڈھونڈنا اتنا بھی مشکل کام نہیں۔''

حنا نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔سرخ آنکھیں اس کے ضبط کی گواہی دے رہی تھیں۔

''اسے ڈر تھا، وہ کہیں دوسری حنا نہ بن جائے۔اس لیے شہریار پھپھا کی جگہ سنبھال لی۔اپنا کر چھوڑ دینے والی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔لیکن تمہیں دوسری حنا کی جگہ سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔وہ چھوڑ گئی ہے تو تم بھی چھوڑ دو۔دنیا میں لڑکیوں کی کمی نہیں۔میں شازیہ آپی سے بات کرتی ہوں سجاب کیلئے۔''

وہ ماورا سے سخت ناراض تھیں۔ان کو بالکل اندازہ نہیں تھا، وہ اس طرح کی بیوقوفی کر جائے گی۔

''نہیں پھپھو۔آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔سجاب سے شادی ہرگز نہیں۔''

فرزام نہیں چاہتا تھا ایک بار پھر سجاب کی زندگی اس کی وجہ سے متاثر ہو اور رہی دوسری شادی کی بات فی الحال اس کا دل راضی نہیں تھا۔

''ابھی تم ڈسٹرب ہو اس لیے فورس نہیں کر رہی۔لیکن تمہیں بیوقوفی کرنے ہرگز نہیں دوں گی۔اس لیے جلد ہی اپنا ذہن بنالو۔'' حنا سنجیدگی سے بولی۔

''آپ اس وقت غصے میں ہیں۔ورنہ مجھے یقین ہے کبھی اپنی چہیتی پر سوکن لانے کی بات نہ کرتیں۔'' فرزام نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا اور یہ سچ بھی تھا۔

حنا اس وقت شدید غصے میں تھی۔اتنا کہ اگر ابھی سامنے ماورا آجاتی تو اس پر ہاتھ اٹھانے

سے بھی گریز نہیں کرتی۔ وہ بات بدلتی ہوئی بولی۔

''کھانا کھایا تم نے؟''

''بھوک نہیں ہے۔

''میں لاتی ہوں، کھانا کھا کے سونا۔''

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ فرزام نے دکھ سے حنا کی پشت کو دیکھا تھا۔ گو کہ یہ غم سب کا تھا پر اس عورت کی زندگی میں خوشیاں دستک دیتی نہیں تھیں کہ غم کے بادل پہلے چھا جاتے تھے۔

''پہلے شوہر اور اب بھتیجی۔''

☆.....☆.....☆

''یہاں کیوں بیٹھی ہو ماورا؟''

وہ لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھی تھی جب نادیہ اس کے پاس چلی آئیں۔

''بس کھلی ہوا میں سانس لینے چلی آئی۔''

اسے یہاں آئے دو ماہ ہو گئے تھے پر آج بھی اپنا آپ اسے یہاں مس فٹ لگتا تھا۔ زریان اور عناب اس کے دونوں بہن بھائی بھی اس کا دل بہلانے کی پوری کوشش کرتے تھے پر وہ تو شاید اپنا دل چنگیزی ہاؤس چھوڑ آئی تھی۔

''کچھ دیر باہر کیوں نہیں چلی جاتی، دو ماہ سے خود کو گھر میں قید کر رکھا ہے۔''

نادیہ اس کے مرجھائے چہرے پر نظریں جمائے بولیں۔ وہ چاہتی تھیں۔ ماورا، زریان اور عناب کی طرح ان سے فرمائش کرے لاڈ پیار جتائے۔ لیکن وہ بہت ریزرو رہتی تھی۔ کوئی فرمائش، کوئی ضد کرتی ہی نہیں تھی۔

''جی میں بھی آج باہر جانے کا سوچ رہی تھی۔''

سچ یہ تھا اسے حنا اور فرزام کی یاد آ رہی تھی۔ جن سے چھٹکارے کیلئے وہ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔

''ماورا بیٹا! میں چاہتی تھی تم ہمارے ساتھ رہو مگر تمہارا دل یہاں نہیں لگ رہا اور واپس جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں روکوں گی نہیں۔'' اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی وہ نرم لہجے میں بولیں۔

ماورا جو اپنے جذباتی پن میں گھر تو چھوڑ آئی تھی اور اب پچھتا بھی رہی تھی۔ پر نادیہ کے چہرے کی مایوسی دیکھ کر ان کا دل رکھنے کی کوشش میں انکار کر گئی۔

''نہیں ماما، میں واپس جانا نہیں چاہتی۔ میں یہیں آپ تینوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''بالکل سچ۔''

نادیہ نے خوشی سے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

''اب میں جاؤں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔'' اس نے اجازت چاہی۔

''ہاں جاؤ، بس مغرب سے پہلے آ جانا۔''

ان کی بات پر سر اثبات میں ہلاتی وہ اٹھ کر گھر سے باہر نکل گئی۔ نادیہ کا گھر سی ویو کے قریب تھا۔ ماورا چلتی ہوئی کافی دور نکل آئی تھی۔ اس نے رک کر بائیں جانب شور مچاتی سمندر کی لہروں کو دیکھا۔ لہروں سے اٹھتا شور بھی اس کے اندر موجود طوفان کو سلا نہیں سکا تھا۔ آنکھوں میں بے اختیار نمی اترنے لگی تھی۔ پلکوں کو جھپک کر اس نمی کو اندر دھکیلتے اس نے گہرا سانس لیا اور ایک بار پھر اپنے پیروں پر نظریں جمائے چلنا شروع کر دیا۔

چند قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ تبھی تیزی سے ہوا میں اڑتی بال اس کے سامنے آ گری۔

اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا اور وہیں نظر ٹھہر گئی۔ وہ بھی سامنے کھڑا آنکھوں میں شناسائی لیے اسے ہی دیکھ رہی تھا۔ وہاں کھیلتے بچے بھاگ کر آ کر اپنی بال اٹھا لے گئے تھے۔ مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ وہ ہنوز اس شخص پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ جسے چند سیکنڈ پہلے تک اپنے سامنے دیکھنے کی تمنائیں کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

کار سے ٹیک لگائے کھڑا وہ اب تک تیسری سگریٹ جلا چکا تھا۔ اس خرافات کو اپنی عادت بنائے دو ماہ ہونے والے تھے۔ ہونٹوں سے دھواں چھوڑتے ہوئے وہ سمندر کی آتی جاتی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سمندر ماورا کو پسند تھا۔ اس نے اپنی پسند بھی بنا لیا۔ ان دو ماہ میں اس کا پانچواں چکر تھا۔ وہ ہنوز نظریں جمائے کھڑا رہا۔ جب اچانک سامنے سے گزرتی لڑکی پر اسے ماورا کا گمان ہوا۔ ہوا میں اڑتی بال اس کے سامنے جا گری تھی۔ پھر اس لڑکی کا نظر اٹھانا، اسے دیکھنا، ٹھہرنا، وہ سب نوٹ کر رہا تھا۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ عرصہ ہوا تھا۔ اس چہرے کو دیکھے ہوئے۔ کتنی دعائیں کی تھیں، اس چہرے کو دیکھنے کیلئے۔ قریب جا کر اس کو چھو لینے کی بیتابی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ اس کا اسے دیکھ کر چونکنا، رکنا اور پھر دھیرے دھیرے اس کی جانب قدم بڑھانا وہ فدا ہی تو ہو گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

عین مقابل ہو کر ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہمیشہ کی طرح پہل اس نے کی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

چند پل پہلے موجود بہت کچھ کہنے اور بہت کچھ سننے کی خواہش اس پل دم توڑ گئی تھی۔ وہ دونوں اس پل اور اس لمحے بس ایک دوسرے کو دیکھتے رہنا چاہتے تھے۔ کہنا چاہیں بھی تو 'دیدارِ یار' کے بعد اب کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔

جانے کتنے لمحے ان دونوں کے درمیان یوں خاموشی میں گزرے، جب نرم گرفت کے ساتھ اس پری پیکر کا ہاتھ اپنے مضبوط گرفت میں تھام کر وہ سمندر کی آتی جاتی لہروں کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی سمندر کی لہروں کو دیکھتی خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ جب اس کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟''

☆.....☆.....☆

افسردہ سی بیگ اٹھائے وہ آفس سے باہر نکلی تھی۔ آج اس نے یہاں سے ریزائن دے دیا تھا۔ بہت سی یادیں تھیں جنہیں وہ یہاں سے ساتھ لے کر جا رہی تھی۔

''اداس ہو؟''

اپنی کار سے ٹیک لگائے کھڑے شہریار نے قریب آنے پر پوچھا۔ حنا نے نظریں اٹھائے انہیں دیکھا جو آنکھوں پر سن گلاسز لگائے، گرے پینٹ، وائٹ شرٹ کی آستینوں کو کہنیوں تک موڑے جاذب نظر لگ رہے تھے۔

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟''

''نہیں! اب تمہاری رخصتی ہونے والی ہے۔ شوہر کے گھر جا رہی ہو اور تمہارا شوہر اس قابل ہے کہ تمہاری ضروریات اور خواہشات کو پورا کر سکے۔''

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولے۔

ماورا کے باعث حنا کی رخصتی کو دو ماہ لیٹ کر دیا تھا۔ مگر اب مزید انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ اس دوران شہریار نے بھی حنا کے تمام تر ڈاکومنٹس تیار کروا لیے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ہی حنا کو لندن لیجانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

''اب موڈ ٹھیک کرو اپنا اور مجھے پیاری سی اسمائل دو۔''

حنا دھیرے سے مسکرا دی۔ وہ یونہی اس کا بچوں کی طرح دل بہلائے رکھتے تھے۔

''تھینک یو عالی!''

''اس کی جگہ اگر تم 'لو یو عالی' کہتی تو زیادہ اچھا لگتا۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ شرارت سے بولے۔

''کچھ زیادہ فری نہیں ہو رہے۔ میں اب بھی آپ سے ناراض ہوں بھولیں مت۔'' اسے یکدم ہی اپنی ناراضگی یاد آئی۔

''یار'' شہریار نے یار کو لمبا کھینچتے ہوئے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ان کے رومینٹک موڈ کا وہ ایسے ہی ستیاناس کر دیتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ایک بار مجھ سے پوچھتی تو، حق سے سوال کرتیں، مگر نہیں تم نے بنا کچھ سوچے سمجھے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ کم از کم ایک بار پھپھو کا ہی سوچ لیتیں۔''

ساری حقیقت جاننے کے بعد ماورا سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ کتنی بڑی بیوقوفی کر چکی تھی۔ اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔

''لوگ سوال کریں گے اس لیے پھپھو کی شادی بھی تمہاری وجہ سے لیٹ ہو گئی۔ لیکن حالات کا سامنا تو کرنا ہی ہے۔ شام کے ڈھلنے کا انتظار آخر کب تک کریں گے۔'' فرزام نے

گہری سانس لی اور نظریں اس کے جھکے سر پر نظر آتی سیدھی مانگ پر جما دیں۔

''اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو پھپھو کی بارات ہے۔ شادی کے بعد وہ لندن چلی جائیں گی۔ اگر دل کرے تو شادی میں شرکت کرنے آجانا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر جانے لگا تھا جب ماورا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ایم سوری فرزام! مجھ سے غلطی ہوگئی پلیز مجھے معاف کردیں۔'' وہ روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

فرزام نے لب بھینچ لیے۔ کیا اتنا آسان ہوتا ہے معاف کرنا؟ ہرگز نہیں مگر اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ واقعی اپنی پھپھو کا بھتیجا ہے۔ حنا کی طرح ہی اعلیٰ ظرف، حنا کی طرح ہی نرم دل۔

''جو حرکت تم نے کی ہے وہ معافی کے قابل تو نہیں پر تمہاری نادانی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے۔''

اسے تنبیہہ کرتا وہ آگے کی جانب قدم بڑھا چکا تھا۔ ماورا خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔ فرزام اسے نادیہ کے گھر پر چھوڑ کر چنگیزی ہاؤس روانہ ہوگیا۔ وہ اب ذرا بھی دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ شہریار اور حنا کے ساتھ وہ ماورا کی رخصتی بھی ساتھ کروالے گا۔

☆.....☆.....☆

صبح ہوتے ہی وہ نادیہ کے ساتھ چنگیزی ہاؤس چلی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر کسی اور نے ردِعمل دیا ہو یا نہیں فوزیہ چنگیزی نے ضرور بھڑک کر دیا تھا۔

''مجھے اب یہ اپنی بہو کے طور پر قطعی منظور نہیں۔ اسے اپنے ساتھ واپس لے جاؤ۔''

سب اس وقت لاؤنج میں رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ فوزیہ چنگیزی کی بات پر ماورا کا جھکا

سر مزید جھک گیا۔

''بھابھی! وہ بچی ہے۔ نادانی میں غلطی کر بیٹھی اسے معاف کر دیں۔''

بات بگڑنے کے ڈر سے نادیہ دھیمے لہجے میں بولیں۔ کل رات ماورا سے ساری بات سننے کے بعد انہوں نے خود اسے یہاں لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ان کی بچی کا گھر بسنے سے پہلے اجڑ جائے۔

''ہرگز نہیں۔ ہمیں کیا معلوم اس نے دو ماہ کہاں گزارے ہیں۔'' ان کی بات پر جہاں حنا نے بے چین ہو کر پہلو بدلہ وہیں فرزام نے تڑپ کر مداخلت کی تھی۔

''امی پلیز!''

''بھابھی! ایسے تو نہ کہیں۔''

نادیہ نے دکھ سے ماورا کی طرف دیکھا جو اب آنسو بہانے لگی تھی۔ اس کے کردار پر بھی انگلیاں اٹھ سکتی ہیں۔ یہ بھلا کب سوچا تھا۔

''اب ایسا بھی کیا غلط کہہ دیا میں نے؟ پوچھو اس سے کہاں۔۔۔'' ان کی چلتی زبان کو حسین چنگیزی کی دھاڑ نے روکا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔ اب کوئی فضول بات نہیں ہو گی اور ماورا یہ آپ کی پہلی اور آخری غلطی تھی۔ آئندہ ایسا کوئی قدم اٹھایا تو اس گھر کے دروازے آپ پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گے۔''

سخت لہجے میں اپنا فیصلہ سنا کر وہاں بیٹھے سب ہی لوگوں کو خاموش کرا دیا تھا۔ فوزیہ چنگیزی غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ حسین چنگیزی باقی سب کو بھی وہاں سے جانے کا اشارہ کر چکے تھے۔ نادیہ بھی واپسی کیلئے اٹھنے لگی تھیں تب حنا نے روکنا چاہا۔

''بھابھی! اتنے عرصے بعد آئی ہیں۔ کھانا کھا کر جایئے گا۔''

''نہیں حنا، بچے پڑھنے گئے ہیں۔ گھر پر کوئی نہیں۔ میں پھر کبھی آؤں گی۔'' وہ معذرت کرتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد حنا اپنے کمرے میں آئی تو ماورا کو اپنا منتظر پایا۔

''پھپھو!''

''اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''لیکن پھپھو! ایک بار میری۔۔۔''

''سنائی نہیں دیا تمہیں جاؤ۔'' حنا کے غصے سے بھرے سخت لہجے پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ مگر وہ اپنی جگہ ڈھیٹ بنی کھڑی رہی۔

''آپ کو میری بات سننی ہوگی۔''

''کیا سنوں تمہاری ہاں۔'' حنا ہاتھ کی مٹھی سختی سے بھینچے اس کے عین مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔

''پھپھو! میں مجبوری میں کوئی رشتہ۔۔۔'' ماورا کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

''مجبوری! پتا بھی ہے مجبوری کیا ہے۔ نا جانے کتنی عورتیں ہوتی ہیں۔ جن کے شوہر دوسری شادی کر لیتے ہیں یا وہ روز مار کھاتی ہیں، گالیاں سنتی ہیں پھر بھی اپنے رشتے کو نبھا رہی ہیں۔ یہ ہوتی ہے مجبوری۔ وہ نہیں جو تم کہہ رہی ہو۔ تمہیں ڈر تھا دوسری حنا نہ بن جاؤ۔ اس لیے تم شہریار بن گئیں۔ ایک موقع نہیں دیا فرزام کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا۔''

ماورا کے رونے میں مزید روانی در آئی تھی۔ اسے صحیح معنوں میں آج اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں پھپھو۔''

''معافی مجھ سے نہیں اس انسان سے جا کے مانگو جو اتنا سب ہونے کے بعد بھی تمہارے کردار پر اٹھتی انگلی برداشت نہ کر سکا۔اب جاؤ یہاں سے۔''

حنا نے کہا تو اب کے وہ رکی نہیں تھی۔اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کرنے کے بعد بیڈ پر لیٹی آنسو بہا رہی تھی۔بات کردار تک پہنچ جائے گی۔یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔فوزیہ چنگیزی کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔اس کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

☆.....☆.....☆

رات میں وہ گھر آیا تو سیدھا ماورا کے کمرے میں گیا تھا۔مگر کمرہ خالی دیکھ کر حنا کے پاس چلا آیا۔

''ماورا کہاں ہے؟''

حنا جو فون پر شہریار سے بات کر رہی تھی۔ایک ابرو اچکائے اسے دیکھا۔

''تم نے کوئی ریکارڈ توڑنا ہے مجنوں کا؟'' اپنی کہی بات پر اسے فون سے شہریار کی ہنسی سنائی دی تھی۔

''آپ اب بھی ناراض ہیں اس سے؟'' مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے بات ہی پلٹ دی۔

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' دوبدو سوال ہوا۔فرزام نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چھت پر ہے۔جاؤ مل لو۔''

اسے جواب دے کر وہ واپس فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔فرزام دروازہ بند کر کے پلٹا اب

اس کا رخ چھت کی جانب تھا۔

چھت پر لگے جھولے پر بیٹھی وہ پورے چاند پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ دل میں ایک اداسی اتری ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے نادیہ سے کال پر بات کی تھی۔ وہ اس کیلئے فکر مند تھیں۔ سب ٹھیک ہونے کا کہہ کر انہیں تو مطمئن کر دیا تھا۔ پر اب خود اداس بیٹھی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

فرزام کی آواز پر چونک کر اسے دیکھا، جو جھولے پر اس کے برابر آ بیٹھا تھا۔

''میں نے دادی جان سے وعدہ کیا تھا کہ اس رشتے کو نبھانے کی پوری کوشش کروں گی۔ میں وہ وعدہ بھی نبھا نہیں سکی۔''

نظریں جھکائے وہ اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ گلٹ تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ فرزام نے دھیرے سے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''کس نے کہا تم وہ وعدہ پورا نہیں کر سکیں۔ تم یہاں ہو، میں یہاں ہوں۔ ہم اب بھی اس رشتے میں بندھے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے غلطی ہو گئی پر اپنی غلطی سے سبق حاصل کرو بجائے افسوس کرنے اور آنسو بہانے کے۔'' وہ اسے پیار سے سمجھا رہا تھا۔ ماورا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تبھی حنا کی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟ آدمی تو ایسے نہیں ہوتے۔ وہ تو اتنی جلدی نہیں مانتے سزا دیتے ہیں۔''

ماورا اس انداز میں بولی کہ فرزام قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔ ماورا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ماورا! میں تم سے ناراض تھا۔ غصہ بھی بہت آیا تھا۔ پر کیا کریں یہ جو دل ہے نا یہ کہاں کسی کی سنتا ہے۔ اس کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔ اپنی من مرضیاں۔ ساری ناراضگی اور غصے کے باوجود یہ تمہارے ہی حق میں فیصلہ دیتا تھا۔ پھر بھلا میں تمہیں کیسے سزا دے سکتا تھا۔ جب میرا دل ہی میری نہیں سن رہا تھا۔''

فرزام کی صاف گوئی پر وہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں تو اردگرد سے بیگانہ کر گئیں۔ چند لمحوں بعد فرزام اٹھا اور دوزانو اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''میں نے اپنے عمل سے پوری کوشش کی تھی تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانے کی پر شاید کبھی کبھی اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔'' ہاتھ بڑھا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''آج اس پورے چاند کی رات میں، اس چاند کو گواہ بنا کر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں فرزام حسین چنگیزی، مسز ماورا فرزام سے بے انتہا بے تحاشا محبت کرتا ہوں۔ میری روح میں بس چکی ہو تم۔ تم سے الگ ہونے کا خیال ہی میری سانسیں اکھڑنے لگتا ہے۔ میرا وجود تم بن ادھورا ہے۔ کیا تم میری زندگی میں شامل ہو کر اسے مکمل کرنا پسند کرو گی؟''

وہ سراپا سوال بنا اس کے جواب کا منتظر تھا۔

ماورا کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ محبت اس پر اس قدر مہربان ہو سکتی ہے۔

''مسز! میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔'' اس کی خاموشی پر فرزام نے پھر پوچھا۔

ہونٹوں پہ تبسم، آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں دل و جان سے کروں گی۔''

اس کے جواب پر وہ بے اختیار اُٹھا اور اسے بانہوں میں بھر کر گھمانے لگا۔
ان کی کھلکھلاتی ہنسی اور اس سیاہ رات میں پھیلی پورے چاند کی روشنی ان دونوں کے ملن کی گواہ ٹھہری تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑی باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے اور شہریار کو لندن آئے ہوئے، تب سے اب تک یہ تیسرا دن تھا کہ بارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ لندن کا یہ بھیگا موسم اس وقت اسے کافی اچھا لگ رہا تھا۔
''کیا کر رہی ہو یہاں، بیمار پڑ جاؤ گی۔'' شہریار نے پیچھے سے اسے اپنے حصار میں لیا۔
''اتنی بھی کمزور نہیں میں۔'' حنا نے اپنا سر ان کے کندھے سے ٹکا دیا۔ دونوں کی نظریں سامنے بھیگتے شہر کو دیکھ رہی تھیں۔
''سب کتنا خوبصورت ہو گیا ہے نا۔'' شہریار نے کہتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔
''مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ ہمارے قیمتی سال میری بدگمانی کی نذر ہو گئے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔
''عالی! جو ہونا تھا ہو گیا۔ ماضی پر اختیار نہیں۔ پر ہمارے آج پر ہمارا مکمل اختیار ہے۔ ہم دونوں مل کر اسے خوبصورت بنائیں گے تاکہ مستقبل میں یاد کرنے کیلئے ہمارے پاس بہت سے حسین لمحات موجود ہوں۔''
حنا کی بات پر ایک جاندار مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا تھا۔ وہ جھکے اور جیسے یہ لمحہ ٹھہر سا گیا۔ خوبصورت لمحات میں سے یہ لمحہ مستقبل کے لیے درج کیا جا رہا تھا۔ چند سیکنڈز بعد وہ دور ہٹے تو قوس وقزح کے رنگ سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔

''بیوٹی فل!''

''آپ بھی نا۔''

وہ مصنوعی خفگی سے انہیں پیچھے دھکیل کر اندر کی جانب بھاگ گئی۔

شہریار نے ہنستے ہوئے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر اوپر آسمان پر، ان کا دل سجدہ ریز ہوا تھا۔ایک باحیا شریکِ سفر کی ہمراہی پر۔

جب شام ڈھلے کبھی تو دیدار تیرا مجھے چاہیے
مری روح میں جو اتر سکے وہ پیار مجھے چاہیے
سراب ہوں نہ عذاب ہوں بس قربتوں کا حساب ہوں
وہ عشق مجھے چاہیے، وہ اک رات مجھے چاہیے

☆.....☆.....☆

ایک ہاتھ میں موبائل اور ایک ہاتھ میں کپ پکڑے وہ کافی پی رہی تھی۔ساتھ ہی موبائل پر اپنی شادی کی تصویریں بھی دیکھ رہی تھی۔نادیہ کی خواہش پر اس کی رخصتی ان کے گھر سے ہوئی تھی۔جس پر سب نے ہی رضامندی کا اظہار بھی کیا تھا۔ماورا بھی بے حد خوش تھی۔باپ کی شفقت نہ سہی کم از کم ماں کی دعاؤں کا حصار تو اس کیلئے موجود تھا۔

وہ ایک کے بعد ایک بغور تصویریں دیکھنے میں مگن تھی جب کمرے سے اسے فرزام کی آواز سنائی دی۔وہ ٹیرس سے اٹھ کر اندر چلی آئی جہاں فرزام آئینے کے سامنے تیار کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''ہم غالباً اپنے ہنی مون پر آئے ہوئے ہیں۔''

وہ اس وقت ماورا کی خواہش پر نادرن ایریاز آئے ہوئے تھے۔کسی اور ملک جانے سے

پہلے وہ پاکستان کی خوبصورتی کو دیکھنا چاہتی تھی۔

''غالباً نہیں یقیناً ہم اپنے ہنی مون پر آئے ہیں۔لیکن یہاں آکر تو آپ نے لڑکیوں کو بھی مات دے دی۔ میں اتنی دیر سے تیار ہوں پر آپ کی تیاری ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔'' وہ غصے سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

بلیو جینز کے ساتھ بلیک ٹی شرٹ اور اس پر بلیک جیکٹ پہنے، پیروں میں وائٹ شوز اس کی تیاریاں آج واقعی دیکھنے لائق تھیں۔

''ہاں تو اپنی بیوی کے لیے زیب وزینت اختیار کرنا میرے نبی کا حکم ہے۔''

وہ فخر سے اپنی تیاری کو دیکھتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔ جو لال مفلر، بلیک شرٹ اور بلیک ہی لونگ سکرٹ میں اپنے سیدھے گھنے بال کھولے، ہلکے سے میک اپ میں اسکی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ یہاں کی خوبصورتی کے سحر میں جکڑنے کے بجائے تمہاری توجہ صرف مجھ پر ہو۔۔۔صرف اور صرف مجھ پر۔''

فرزام نے کہتے ہوئے اسے اپنے حصار میں لیا۔

''اور اگر نہ دیکھوں تو۔'' ماورا کا انداز شرارتی تھا۔

''تو میں تمہیں ان ہی پہاڑوں سے نیچے پھینک دوں گا۔'' لیکن فرزام کا انداز سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ ماورا کا منہ کھل گیا۔

''ہاں! شرم تو نہیں آئے گی نا آپ کو۔ اب میں بالکل آپ سے بات نہیں کروں گی۔'' غصے سے اسے گھورتی دروازے کی جانب بڑھی جب فرزام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔

"کچھ ایسا ہو یہ شام ڈھلے
کوئی لے کے مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ دھرے
اور پونچھ کے آنسو آنکھوں سے
وہ دھیرے سے یہ بات کہے
یوں تنہا چلنا ٹھیک نہیں
چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں....."

اپنے ہاتھوں میں اسکا چہرہ تھامے وہ گمبھیر آواز میں اسے اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔
ماورا نے مسکرا کر پُرسکون انداز میں اس کے سینے میں چہرہ چھپا کر آنکھیں موند لیں۔اس یقین کے ساتھ کہ اب ساری راحت ایک دوسرے کے ساتھ میں تھی۔

..... ختم شد .....

http://sohnidigest.com